Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

www.urdupalace.com

سب کے جانے کا وقت، چند منٹوں کے فرق سے تقریباً" یہی تھا، ان کے ہاتھ گھڑی کی سیکنڈ کی سوئی کے ساتھ ساتھ حرکت کر رہے تھے۔ جلدی جلدی پراٹھا بیل کر انہوں نے توے پہ ڈالا۔

"امی! جلدی کریں لیٹ ہو رہا ہوں۔" فیض احمد عرف فیضی کلائی پر گھڑی باندھتا ہوا آیا اور ان کے سر پہ کھڑا ہو گیا۔

"سالن گرم ہے تو دے دیں۔" وہ ماں سے بھی زیادہ جلدی دکھا رہا تھا۔

"افوہ، فیضی! باہر چل کر بیٹھو، اتنی گرمی میں میرے سر پہ کیوں کھڑے ہو گئے۔ لا رہی ہوں ناشتہ۔" پسینے چسکے لینے کھڑے ہو گئے۔

"وہ نواب نہیں تھے، صاحب حیثیت گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔" دادا نے تصحیح کی۔

"ایک ہی بات ہے، نواب بھی تو صاحب حیثیت ہوتے ہیں۔" پوتا جم کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

"مگر ہر صاحب حیثیت نواب نہیں ہوتا۔" دادا جان نے نکتہ نکالا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔" حیرت انگیز طور پر فیضی نے بہت جلد ہتھیار ڈال دیے اور میز پر انگلیوں سے طبلہ بجاتے ہوئے اپنا تکیہ کلام بہ آواز بلند دہرایا۔

"امی! بھوک کے مارے دم نکلا جا رہا ہے۔"

نعیمہ ناز سلطان

پسینے چہرے کو چھوٹے سے تولیہ سے صاف کرتے ہوئے وہ جھنجلائیں۔

"بھو! تم نے ہی سر پہ بٹھایا ہوا ہے لاڈلے نواب کو، اب کہیں اور اٹھنے بیٹھنے کو جگہ ہی نہیں ملتی۔" دادا جان نے ہمیشہ کی طرح طنز کا پتھر پھینکا، مگر یہ پتھر بھو بیگم کے لیے نہیں بلکہ پوتے کے لیے تھا۔ جو ٹھک کر کے ٹھیک نشانے پر لگا۔

"جن کے نام پر آپ نے میرا نام رکھا ہے نا وہ بھی نواب تھے۔" فیضی باہر آ گیا، صبح صبح دادا جان سے دو دو ہاتھ کرنے، جن کی صبح ہوئے دو گھنٹے سے زیادہ گزر چکے تھے اس وقت جو چائے کی پیالی پی تھی اس کا ذائقہ بھی زبان سے ختم ہو چکا تھا، تب ہی تو نوک جھونک کے

"پھر وہی فضول تکرار، دس بار منع کیا ہے دم نکلنے اور جان نکلنے کی باتیں زبان سے نہ نکالا کرو، کوئی کوئی وقت قبولیت کا ہوتا ہے۔ اچھی باتیں زبان سے نکالنی چاہئیں۔"

امی نے ٹرے لا کر اس کے آگے رکھی خستہ، گرم تر پراٹھا اور رات کی بچی بھنی کلیجی کی پلیٹ، اسی سالن کی وجہ سے تو لاڈلے نے پراٹھا پکوایا تھا۔

"امی! ناشتہ تیار ہے؟" پریسا عرف پریا تیار ہو کر ڈائننگ ٹیبل پر آ گئی تھی۔

"دس پندرہ منٹ پہلے اٹھ کر کم از کم اپنا ناشتہ ہی خود بنا لیا کرو، سب کے سب مل کر ماں کو ہلکان کیے دیتے ہیں، وہ بھی نوکری پر جاتی ہے۔ اس غریب کا بھی

www.urdupalace.com

کچھ ہاتھ بٹا دیا کرو۔"

دادا اب کچھ عرصے سے ایسی ہی باتیں کرنے لگے تھے۔ پہلے جو طنز، طعنے اور تنقید بیٹے پہ ہوتی تھی وہ اب بیٹے کی اولاد پر ہونے لگی تھی اولاد ہی ایسی تھی کم بخت سارے کے سارے باپ پہ چلے گئے تھے، بے حس، خود غرض، نکمے نکٹھو، آخری دو اعزازات پر پریسا شدید اختلاف کرتی۔

"میں نکمی نہیں ہوں، جاب کرتی ہوں۔"

"ماں کے ہاتھ پہ کتنے پیسے رکھتی ہو؟" دادا دکھتی رگ پہ ہاتھ رکھ دیتے۔

"ارے واہ، اتنی محنت سے پیسے کمائے جاتے ہیں، آپ تو ایسے بول رہے ہیں جیسے میں درختوں سے نوٹ توڑ کر لاتی ہوں اور لا کر امی کے ہاتھ پہ رکھ دوں۔ امی کی طرح گورنمنٹ اسکول کی جاب نہیں ہے کہ جا کر آرام سے بیٹھے رہے، پڑھایا پڑھایا نہ پڑھایا نہ پڑھایا، پرائیویٹ اسکول وہ بھی اتنا نامی گرامی، کھال کھینچ لیتے ہیں۔ محنت کروا کروا کر خون خشک کر دیتے ہیں پھر جا کر سیلری کا منہ دیکھنے کو ملتا ہے۔"

پریا چمک کر جواب دیتی، بولتی اور بولتی ہی چلی جاتی، اپنی محنت، مزید محنت، مشقت، مصیبت، ساری کہانیاں اسی وقت بیان کی جاتیں۔

"ماں کا بھی کوئی حق ہے یا نہیں؟" دادا کا فقط ایک سوال۔

"میں ان کے لیے پیسے دیتی ہوں، وہ سب گھر میں لگا دیتی ہیں۔ یہ خرچا وہ خرچا، یہ چیز، وہ چیز، گھر کے خرچے ہی ختم نہیں ہوتے۔"

پریا کی گوری رنگت بول بول کر گلاب سی ہو جاتی پتلے پتلے نازک سے ہونٹ بھینچ کر وہ اپنی صفائیاں پیش کرتی۔ مگر خیر یہ تماشے اور مناظر تو آئے دن کا معمول تھے۔ اس وقت تو ان کا اعتراض پریا کو برا ہی لگ رہا تھا، فوراً" منہ بن گیا۔

"جلدی ہی اٹھتی ہوں، اب میں اپنی تیاریاں کروں یا کچن میں گھس جاؤں سب نہایا دھو، ایک منٹ میں برابر ہو جائے۔"

نک سک سے تیار پریا علی الصبح نہائی دھوئی، استری شدہ لان کا پوسٹر سوٹ، مہنگا والا، بالوں کو ڈرائی لگا کر خشک کرتی، تراشیدہ بالوں کے نت نئے اسٹائل بناتی، ہلکا پھلکا سا میک اپ، نازک سی جیولری، فینسی جوتا یا چپل، پرفیوم سے خود کو اور اردگرد کی فضا کو مہکائے، وہ بھلا کچن میں گھستی کام کرتی اچھی لگتی؟ اسے یہ سب سوٹ نہیں کرتا تھا۔

"کیا لوگی؟" امی نے تحمل سے اپنی پہلوٹھی کی اولاد کو دیکھا۔

وہ ہمیشہ سے ہی ان کی جان تھی سب سے پیاری تھی انہیں اس کی ہر خطا، ہر غلطی، ہر خود غرضی، ہر بے حسی وہ شاید اس کی پیدائش سے پہلے ہی معاف کر چکی تھیں۔ دادا برملا کہتے تھے۔

"مامتا بڑی بری شے ہے بہو بیگم! مگر اسے بری اولاد پہ ضائع نہ کرو۔" مگر کون ماں ہوتی ہے جو اولاد میں اچھائی برائی، خوبی خامی کا موازنہ کر کر کے محبت کرتی ہے؟ ماں کی محبت تو بارش کی طرح برستی رہتی ہے، کھیت کھلیان، باغ باغیچوں جیسی اولاد پر بھی اور بنجر زمین اور سخت چٹانوں جیسی اولاد پر بھی۔

اس کی محبت اس نفع نقصان سے بے نیاز ہوتی ہے کہ کون سی زمین فائدہ مند ہے اور کون سی زمین بے کار، تو گورنمنٹ اسکول میں پرائمری کی استانی عافیہ سکندر کچھ ایسی ہی ماں تھیں، ویسی ہی جیسی کہ عموماً" مائیں ہوتی ہیں۔ اولاد کی تمام تر خامیوں اور برائیوں کو ایک طرف کر کے، صرف اور صرف ان سے محبت کرنے اور ان کا خیال رکھنے میں مگن۔

اور صرف ماں ہی کیوں، وہ تو بیوی بھی ایسی ہی تھیں، وفادار، وفاشعار، جاں نثار۔ کچھ عورتوں کا خمیر اللہ تعالیٰ نے ایسی مٹی سے اٹھایا ہے کہ محبت نام پر خود کو مٹا کر مٹی کر لیتی ہیں..... وہ بھی ان ہی میں سے ایک تھیں تب ہی تو ان کی بڑی آپا رافعہ مہر ہیڈ ٹیچر آف گورنمنٹ سیکنڈری اسکول اعظم آباد انہیں کبھی کبھی لتاڑتیں تو

www.urdupalace.com

یہی کہتیں۔ "اس فضول انسان اور اس کی فوٹو اسٹیٹ اولاد کے پیچھے تم نے خود کو خوار کر ڈالا' تباہ کر ڈالی اپنی محبت بھی اور جوانی بھی' اپنی صلاحیت اور توانائی بھی۔"

"وہ آج بھی مجھ سے محبت کرتے ہیں آپا! شادی کو چھبیس سال ہو گئے۔ ہر سال انہیں شادی کی سالگرہ بھی یاد رہتی ہے اور میرے لیے پھول اور گجرے لانا بھی۔" عافیہ سکندر کی آنکھوں میں جگنو سے چمک اٹھتے' عمر اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان کی محبت کے دریا میں روانی اور طغیانی ہی آئی' کمی کبھی نہیں آئی۔

"پھٹ پڑے وہ سونا جس سے ٹوٹیں کان' کیسی محبت کہاں کی محبت' سب بے وقوف بنانے کے طریقے ہیں۔ سال میں ایک بار تمہاری ہی کمائی سے تمہیں ہار پھول پہنا کے تین الفاظ محبت کے بول دیے' ہو گئی رسم محبت پوری' باقی پورا سال گھر بیٹھے بیوی کی کمائی کھاتے رہو اور بزنس کے بوگس منصوبے بناتے رہو۔"

بڑی آپا چراغ پا ہو کر جو سنانا شروع کرتیں تو عافیہ کی ملتجیانہ خاموش نظریں بھی انہیں چپ کرانے میں ناکام ہو جاتیں۔ مگر بہرحال یہ تو ان کی آپا کی باتیں تھیں' جو ان سے بہت محبت کرتی تھیں۔ ایک تو یہ محبت بھی کچھ عجیب ہی شے ہے' کہیں انسان اس کی وجہ سے کسی کو کڑوی کسیلی سنا دیتا ہے اور کہیں اس محبت کے نام پر ہی انسان کسی کی کڑوی کسیلی سن لیتا ہے۔

بات ہو رہی تھی صبح کے ناشتے کی تو امی جان نے پریا کے لیے دودھ کا گلاس اس کی فرمائش کے مطابق لا دیا۔ دو تین کوکیز اس نے حلق سے نیچے اتارے اور دودھ کا گلاس چڑھا گئی ابھی سنعیہ اور سونیا باقی تھیں۔ دونوں جڑواں تھیں مگر حیرت انگیز طور پر شکل عادات اور خصائل میں ایک دوسرے سے بے حد مختلف۔

سنعیہ اپنے والد محترم کی طرح تھی۔ ان ہی کی طرح صاف رنگت اور دل آویز ناک نقشہ اور ان ہی کی طرح بے حس' خود غرض اور کاہل' تھوڑی تھوڑی یہ تینوں خصوصیات باقی بہن بھائیوں میں بھی تھیں مگر سونیا سب سے تھوڑی سی الگ تھی۔

ماں کی طرح سانولی رنگت پہ بڑی بڑی سحر انگیز آنکھوں اور ان ہی کی طرح گھنے سلکی بالوں کی مالک سونیا' اس کا دل اپنی ماں کی طرح تھا۔ نرمی اور محبت سے گندھا ہوا' خلوص اور سادگی سے بھرا ہوا۔

تینوں بہن بھائی اسے بے وقوف سمجھتے بھی تھے اور کہتے بھی تھے۔ برملا کہتے تھے' ڈنکے کی چوٹ پر کہتے تھے۔ یہ سوچے بغیر کہ سننے والے کو کیسی چوٹ پہنچ رہی ہے اور سونیا حتی الامکان ماں کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کرتی تھی اور چھوٹے موٹے کئی کام کر لیتی تھی۔ ناشتہ بنانے میں بھی ان کی مدد کر دیتی تھی مگر وہ بے چاری آج کل اپنے امتحانات کی تیاری میں جتی ہوئی تھی۔

ایف ایس سی کے پیپرز ہو رہے تھے۔ اسے اے پلس کے ساتھ یہ امتحان پاس کرنا تھا اور پھر انٹری ٹیسٹ کی تیاری اور پھر میڈیکل میں ایڈمیشن' ڈاکٹر بننا اس کا شوق یا خواب نہیں بلکہ جنون تھا' اس جنون کو پورا کرنے کے لیے وہ جنونیوں کی طرح ہی محنت کر رہی تھی۔

آج اس کا پیپر تھا' صبح فجر کی نماز پڑھ کر اپنا نصاب دہرانے بیٹھ گئی تھی' اب امی ہی زبردستی تھوڑا بہت ناشتہ کروا دیں تو کروا دیں ورنہ وہ اس ٹینشن بھرے زمانے کے دوران کھانے پینے سے بالکل بے نیاز سی ہو جاتی تھی۔ کچھ اترتا ہی نہیں تھا۔ حلق سے نیچے۔ بہن بھائی مذاق اڑاتے تو وہ ہنس کر ایک طرف ہو جاتی۔

www.urdupalace.com

نظر انداز کرنے کی پالیسی بہت سے معاملات میں کار آمد ثابت ہوتی ہے۔ اب وہ اپنے معمول کے مطابق صبح سے ہی پیپر کی تیاری میں لگی ہوئی تھی۔ سنعیہ بھی اسی کی کلاس فیلو تھی مگر وہ اتنے تردد کی قائل نہیں تھی 'مناسب محنت کے بعد مناسب نمبر آجائیں' بس اسے یہی مناسب لگتا تھا۔

امی کی پے در پے آوازوں پر سونیا کتاب ہاتھ میں لیے لیے ہی ناشتے کی میز پر پہنچ گئی۔

"بیٹا! پہلے ناشتہ کرلو۔"

"امی! آپ کو معلوم تو ہے مجھ سے کچھ بھی نہیں کھایا جائے گا۔" وہ بے بسی سے ماں کو دیکھ کر بولی۔

"اف 'پیپر کی ٹینشن۔"

"تھوڑا سا کھالو' خالی پیٹ بھی گھر سے نکلنا ٹھیک نہیں ہے۔" امی نے رسان سے کہتے ہوئے کچن کی راہ لی۔

سونیا کرسی پہ بیٹھ گئی اور کتاب کھول کر نظریں دوڑانے لگی۔ پریا 'فیضی کے ساتھ نکل گئی تھی۔ فیضی اسے 'اس کے اسکول چھوڑتا ہوا' یونی ورسٹی چلا جاتا تھا۔

سنعیہ اور سونیا نے بھی ناشتے سے فراغت حاصل کرلی تھی۔ اب کالج کی تیاری میں مصروف تھیں 'امی نے اپنے لیے چائے مگ میں نکالی اور ٹیبل پر آ بیٹھیں۔ سلائس کا کونا کترتے ہوئے وہ جانے کس سوچ میں گم تھیں کہ شوہر نامدار کے آنے کی بھی خبر ہی نہ ہوئی۔

"کیا بات ہے' آج آپ کے غریب مسکین خاوند کو ناشتہ ملے گا یا ایک گھنٹے بعد برنچ کرنا پڑے گا۔"

"ہائیں!" وہ اک دم ہڑبڑا گئیں۔ "آپ کب اٹھے؟"

"اٹھ بھی گیا' نہا دھو کر یہاں آ بھی گیا' آپ کو خبر ہی نہیں ہوئی۔" تازہ تازہ غسل کی بشاشت اور ازلی لاپروائی اور بے نیازی کی گواہ' وجیہ چہرے کی چمک لیے وہ بڑی شان سے مسکرا رہے تھے۔ سفید کرتا شلوار میں ملبوس 'بالوں کو سلیقے سے جمائے ہوئے' ایک بھینی بھینی مہک میں لپٹے عافیہ سکندر کے شوہر سکندر بخت' ان کے سامنے بیٹھے تھے۔ ناشتے کی میز پر۔

ایک نظر انہوں نے اپنے نک سک سے تیار' خوشبوئیں بکھیرتے پیارے شوہر پر ڈالی اور دوسری نظر خود پر' اپنے سراپے پر' صبح ہی صبح اٹھ کر سیدھی کچن میں گھس گئی تھیں۔ رات بھر کے پہنے مسلے ہوئے' سلوٹ زدہ کپڑے' بالوں کو سمیٹ سمٹا کر کیچر لگا لیا تھا۔ منہ دھونے کا رسمی سا تکلف ہی کیا تھا۔

اس وقت وہ عموماً" اسی حلیے میں ہوتی تھیں اور بڑی آسودہ رہتی تھیں۔ سکندر بخت صاحب تو بڑے آرام سے اس وقت سو کر اٹھتے تھے جب وہ دوپہر کی ہنڈیا روٹی کر کے اسکول جانے کی تیاری میں مصروف ہوتی تھیں۔ شوہر صاحب بیدار ہو کر نہاتے دھوتے' تیار ہوتے اور بیگم کو ہرگز ہرگز بھی آوازیں نہ لگاتے' نہ زحمت دیتے۔ پکا ہوا کھانا اپنے لیے خود نکال لیتے اور جب تک وہ کھانا کھاتے اس دوران میں عافیہ سکندر چائے چڑھا دیتیں اور اپنی تیاری کرتے کرتے' چلتے پھرتے چائے کا کپ انہیں پکڑا دیتیں' کچھ سودا سلف یا کچھ اور سامان وغیرہ لانا ہو تو اس کی لسٹ اور پیسے بھی اسی وقت ہی دیتیں۔ کبھی کبھار ہی یہ کرشمہ ہوتا تھا کہ وہ جلدی بیدار ہو کر ناشتے کی میز پر۔ پہنچ جاتے آج اسی ان ہونی کا دن تھا۔

"کیا بات ہے' آج بھی آپ خیالوں میں گم ہیں۔ وہ جو خیالوں میں بستا ہے' مجسم آپ کے سامنے موجود ہے۔"

"ناشتہ لاؤں آپ کے لیے؟" وہ ہڑبڑا کر سنبھلتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"ناشتے کا ہی ٹائم ہے غالباً"! سکندر بخت نے ایک گہری سانس لی۔ وہ اٹھیں اور کچن میں جانے لگیں۔

"ارے اپنا ناشتہ تو پورا کرلیتیں یا میرے ساتھ کرنے کا ارادہ ہے؟" میاں صاحب نے پیچھے سے آواز لگائی۔

"آرہی ہوں ابھی۔"

www.urdupalace.com

"بھونے اس گھر میں سب کی عادتیں بگاڑی ہوئی ہیں۔ یہ بے غیرت تو پہلے ہی سے بگڑا ہوا تھا' بیوی کے لاڈ پیار نے اور چار چاند لگا دیے۔"

اندر کمرے میں ابا میاں ہمیشہ کی طرح کلس رہے تھے۔ بیٹے سے کچھ کہنا تو بس ایسا ہی تھا جیسے چکنے گھڑے پہ پانی کی بوندیں' پھسل پھسل کر گرتی رہتیں۔ ابا میاں جب بھی انہیں سنجیدگی سے سمجھانے کی کوشش کرتے' لگ کر اور ٹک کر کام کرنے کے بارے میں' گھر' بیوی بچوں کی ذمہ داریوں کے بارے میں' سکندر بخت اپنی شیریں بیانی کے کمالات دکھانا شروع کر دیتے۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں ابا جی! مجھے احساس نہیں ہے اپنی بیوی کی محنت کا' اپنے بچوں کا' آپ کا' گھر کا مجھے ہر شے کا ادراک ہے۔ میں سب کے لیے بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے بس کچھ وقت چاہیے اور کچھ سرمایہ۔ میرا بزنس پلان ان شاء اللہ کامیاب ہو گا اور پھر ہم سب کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔"

وہ سنہرے خواب خود بھی دیکھتے رہے اور دکھاتے بھی رہے مگر انہیں جو وقت چاہیے تھا' وہ ایک عمر گزرنے پر بھی نہیں ملا اور جو سرمایہ درکار تھا وہ بھی اکٹھا نہ ہو سکا۔ کہانی اور زندگی کچھ یوں رہی کہ عافیہ سکندر محنت کر کے گھر گرہستی چلاتی رہیں' سکندر بخت ہوائی قلعے بنا بنا کر اس میں خواب خرگوش کے مزے لیتے رہے اور ابا ان دونوں کو دیکھ دیکھ کر کڑھتے رہے۔

بھوپر ترس آتا تھا۔ رحم آتا تھا اور اپنی اکلوتی اولاد پر شدید غصہ۔ کبھی پیار سے' کبھی غصے سے' بیٹے کو بہت سمجھایا۔ ذمے داری اور فرض شناسی کے اسباق پڑھائے' مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔ دراصل انسان کسی سوتے ہوئے کو جگا سکتا ہے مگر جو شخص پہلے ہی سے بیدار ہو مگر جان بوجھ کر مدہوش پڑا ہو' اسے جگانے سے کیا حاصل۔ بچے ہوئے اور چھوٹے سے بڑے بھی ہو گئے مگر سکندر بخت کی روش وہی رہی' انداز زندگی اور حالات زندگی ان کے وہی رہے جو تھے۔

www.urdupalace.co

وہ بیک وقت خوش نصیب بھی تھے اور بد نصیب بھی' بد نصیب یوں کہ ہاتھ میں بہترین ہنر رکھنے والے اعلیٰ پائے کے کاریگر تھے۔ معمولی کپڑا بھی ان کے ہاتھوں میں آتا تو ان کی مہارت اسے شاہکار بنا دیتی' گھر بیٹھے انہیں منہ مانگے معاوضے کی آفر آتی مگر وہ اپنی لا ابالی طبیعت اور غیر مستقل مزاجی کے سبب اپنے اس ہنر سے نہ خود کوئی فائدہ اٹھا سکے نہ اپنی فیملی کے لیے کچھ کر سکے اور خوش نصیب یوں کہ ایک عورت کی چاہت اور محبت نے ان کی خامیوں اور برائیوں کو پس منظر میں دھکیل دیا تھا۔ منظر پر تو بس وہی وہ چھائے ہوئے تھے۔

عافیہ سکندر نے ناشتہ لا کر میز پر رکھا اور چپ چاپ اپنی چائے پینے لگیں۔

سکندر بخت نے لقمہ توڑنے سے قبل انہیں غور سے دیکھا' پھر لقمہ توڑ کر منہ میں رکھا اور اپنی بیوی کو بدستور دیکھتے رہے۔ جن کی پیشانی پر بڑی سوچ کی لکیریں ان کی پریشانی اور فکر مندی کی غماز تھیں۔

"کیا ہوا عافو' پریشان ہو؟" ان کا لہجہ اور الفاظ' بیگم کے لیے ہمیشہ ہی شہد آگیں رہے تھے۔

"پریشانیاں تو زندگی کا حصہ ہیں۔"

"کوئی زبردستی ہے کیا؟ نہ بناؤ انہیں اپنی زندگی کا حصہ' نکال باہر کرو ایک لات مار کر۔"

وہ بے ساختہ ہی بولے تھے اور ایسی باتیں وہی کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے تو اب تک کی زندگی میں اسی پر عمل کیا تھا۔ کسی پریشانی کو اپنے قریب پھٹکنے نہیں دیا تھا اور یہ کام اعلیٰ درجے کے خود غرض ہی کر سکتے ہیں جو صرف اپنا بھلا سوچتے اور اپنا ہی بھلا کرتے ہیں۔

عافیہ ایک نظر اپنے محبوب شوہر کو دیکھ کر رہ گئیں۔ زندگی میں چند بار نہیں بلکہ کئی بار اور کبھی بار بار ایسے مقامات آتے ہیں جہاں صرف محبت اور خالی خولی پیار سے پیٹ نہیں بھرتا زندگی کے تلخ حقائق اور اٹل مطالبے محبت کی شیرینی ساری کی ساری چوس لیتے ہیں' خالی پھوک رہ جاتا ہے جو کسی کام کا نہیں ہوتا۔

ان کو زندگی میں زیادہ نہیں مگر چند بار ضرور محسوس ہوا کہ زندگی کے کشکول میں محبت کے کھنکھناتے سکے' دلفریب تو بہت لگتے ہیں۔ ان کی خوش نمائی بے مثل ہوتی ہے' مگر ان کا مول؟ مول کوئی نہیں' بے مول ہیں۔ زندگی کے کشکول کا تقاضا کچھ اور ہے۔ اسے عمل اور محنت کے پائیدار اور کھرے سکے درکار ہیں۔ جو زندگی کے بہت سے مسائل حل کرنے کی بے پناہ طاقت و قوت رکھتے ہیں۔

اس وقت بھی وہ فکر مند تھیں کہ پریا کے سسرال والے اب شادی پر زور دے رہے تھے اور وہ پریشان تھیں کہ اتنی بڑی ذمہ داری اکیلے کیسے سہار سکیں گی۔ کمائی کا بیشتر حصہ تو گھر اور گھر والوں پر خرچ ہو جاتا تھا' بچت اتنی نہیں تھی کہ وہ اس دھوم دھام سے بیٹی کا بیاہ کر سکتیں جیسا کہ ان کا ارمان تھا۔ اور ارمان تو ان سے زیادہ ان کی بیٹی کے تھے۔ اس کی شادی کے منصوبے اس کے خوابوں کی طرح طویل اور سنہری تھے۔

ماں ہونے کے ناتے وہ ان خوابوں اور خواہشوں کی تکمیل کو اپنا فرض سمجھتی تھیں اور باپ؟ باپ کا فرض کیا ہے؟ کیا ہونا چاہیے؟ بیٹی کی وجہ سے آج وہ سنجیدگی سے سوچنے پر مجبور ہوئی تھیں۔

"عاکف کے گھر والے شادی کا کہہ رہے ہیں۔"

انہوں نے دھیرے سے شوہر کو آگاہ کیا۔

"انہوں نے دو سال کا ٹائم دیا تھا۔"

"ہاں' منگنی کے وقت تو یہی بات ہوئی تھی مگر اسے بھی چھ ماہ گزر چکے ہیں۔ وہ ایک سال کے اندر اندر شادی کا کہہ رہی ہیں' عاکف سے چھوٹا والا عاطف اسٹڈیز کے لیے باہر چلا جائے گا۔ اتنی جلدی اس کا آنا مشکل ہے۔ وہ لوگ چاہ رہے ہیں کہ عاطف اپنے بھائی کی شادی اٹینڈ کر کے باہر جائے۔" عافیہ بیگم نے پوری داستان سنا دی۔

"پھر؟" سکندر صاحب نے گیند بڑی معصومیت کے ساتھ واپس ان ہی کے کورٹ میں ڈال دی۔

"لاکھوں کا خرچا ہے' کیسے ہو گا سب کچھ؟" وہ جیسے خواب کے عالم میں بول رہی تھیں اور ساتھ ساتھ شاید ایک خواب بھی دیکھ رہی تھیں کہ سکندر بخت

www.urdupalace.com

انہیں تسلی دیں۔
"عافو! تم فکر مت کرو، میں ہوں نا تمہارے ساتھ۔
ہم دونوں مل کر اپنی بچی کو بہت اچھے طریقے سے وداع کریں گے۔" ان کے خیالات مختلف سمتوں میں بھٹک رہے تھے اور سکندر بخت خاموشی سے ناشتہ ختم کرنے میں لگے ہوئے تھے۔
"تم فکر مت کرو عافو!" بالآخر نرم لہجے میں سکندر بخت نے بات شروع کی۔ "ابا جی کا پلاٹ ہے نا گلستان جوہر والا، ان سے کہو، وہ بیچ دیں۔ پریا کی شادی ان شاء اللہ بہت دھوم دھام سے ہو جائے گی۔" اتنے آرام سے مشورہ دیا گیا کہ وہ حق دق اپنے شوہر کو دیکھتی رہ گئیں۔
"مگر ابا اپنا پلاٹ کیوں بیچیں گے ہمارے کہنے سے؟"
بڑی دیر بعد عافیہ کچھ کہنے کے قابل ہوئی تھیں۔
"ابا کی پوتی ہے۔ سب سے بڑی اور لاڈلی پوتی، اس کی خوشی کے لیے اتنا بھی نہیں کر سکتے۔" واہ کیا شان دار جواب ملا تھا عافیہ سکندر کو اپنے سوال کا۔
"ہماری بیٹی ہماری ذمہ داری ہے سکندر! ہمیں ہی اٹھانی ہے۔" یاسیت سے کہتے ہوئے وہ ناشتے کے برتن اٹھا کر کچن میں رکھنے چل دیں۔
ماسی آ گئی تھی۔ وہ گھر کی صفائی ستھرائی اور برتن وغیرہ دھونے کا کام کرتی تھی۔ ہفتے میں دو بار مشین لگاتی تھی۔ عافیہ بیگم ہنڈیا پکا کر رکھ دیتی تھیں، جو دونوں وقت کے لیے کافی ہوتی۔ آٹا بھی گوندھ دیتی تھیں۔ وہ سیکنڈ شفٹ میں پڑھاتی تھیں۔ ان کے اسکول جانے کے بعد بچے کالج، یونیورسٹی سے آ جاتے، تو ماسی پھلکے ڈال دیتی تھی۔ وہ بھی چھٹی پر ہوتی تو یہ کام سونیا کرتی۔ شام میں، رات میں کچھ اور کھانے کا موڈ ہوتا تو بچے کبھی خود کچھ شغل کر لیتے یا کبھی بازار کا رخ کرتے۔ وہ شام کو تھکی ہاری آتی تھیں۔

☼ ☼ ☼

تنے ہوئے شرارے پر چھپائی مکمل ہوئی تو اس نے چھاپے سمیت سارا ساز و سامان ٹھکانے پر رکھا اور اڈے پہ بیٹھ گئی۔ کروشیے کی نوک والی اڈے کی سوئی بڑی مہارت سے ریشم اور کلابتو کے پھولوں کی دھنک سرخ شرارے پر بکھیر رہی تھی۔
"آپی! چھاپ لیا شرارہ؟" گڈو نے اندر جھانکا۔
"بنانا بھی شروع کر دیا۔ تم لوگ کب آؤ گے؟"
سوئی کو گول گول گھما کر نیچے سے ٹانکے نکالتے ہوئے صفا نے اس کی طرف دیکھے بغیر کہا تھا۔
"ہم لوگ بس ابھی آ رہے ہیں آپی، آدھے گھنٹے کی ریسلنگ اور رہ گئی ہے۔" "یہ جوڑا اگر لیٹ گیا نا تو ابو اچھی طرح خبر لیں گے تم سب کی، میں تو کہہ دوں گی، میں نے اپنا کام مکمل کر دیا ہے۔" صفا نے دھمکانے کی کوشش کی۔
"لیٹ نہیں ہو گا ہم لیٹ نائٹ شفٹ لگا لیں گے۔"
"ابو پوچھیں گے نہیں کہ یہ لیٹ نائٹ شفٹ کیوں لگ رہی ہے؟"
"ان کے سونے کے بعد لگائیں گے نا!" وہ چودہ پندرہ سال کا بڑا پیارا اور بلی سا بچہ تھا۔ فرماں بردار، تمیزدار، بس ذرا اپنے سے تھوڑی سی بڑی بہنوں کا شوق اسے بھی لگ گیا تھا۔ ریسلنگ کے ساتھ ساتھ ڈراموں کا شوقین ہو گیا تھا۔ دو تین ڈرامے تھے جنہیں بڑی پابندی اور انہماک کے ساتھ یہ تینوں دیکھا کرتے تھے۔
دو تین گھنٹے ٹی وی کے سامنے گزارتے تو اس کام کا بہت حرج ہوتا جو ان گھنٹوں میں انہیں کرنا ہوتا تھا لہٰذا اپنا شوق پورا کر کے، رات میں ابو کے سونے کے بعد شفٹ لگاتے اور ادھورا کام جلدی جلدی مکمل کرتے۔
یہ لوگ اڈے کی کڑھائی کا کام کرتے تھے۔ اس کام کے اور دوسرے نام بھی ہیں۔ آری کا کام، زردوزی کا کام۔ یہ دو بہنیں اور تین بھائی اپنے گھر پر یہی کام کرتے تھے، مال کا آرڈر لانا، بنانے کے لیے ساز و سامان لانا، تیار مال کو بیچنا، یہ سب ذمہ داری باپ نے لی ہوئی تھی۔ ان بچوں کا کام صرف یہ تھا کہ جس میٹیریل پر جس طرح کی کڑھائی مطلوب ہوتی، وہی کام کر کے

www.urdupalace.com

ملبوسات تیار کرتے ' زیادہ تر شرارے ' لہنگے ' میکسیاں ' فراکیں اور کبھی کبھار ساڑھیوں کے آرڈر آتے تھے۔

یہ ان سب کے لیے ایک فل ٹائم جاب تھی۔ صبح ناشتے وغیرہ سے فارغ ہو کر حد سے حد نو بجے تک یہ سب اڈے پہ بیٹھ جاتے اور شام چھ بجے اٹھتے تھے۔ بیچ میں کھانے اور نماز کا ایک گھنٹے کا وقفہ تھا۔

ان کے ابو صاحب 'امیر عثمان کی لیاقت مارکیٹ میں فینسی کپڑوں کی دکان تھی۔ چھوٹی سی دکان تھی اور مال بھی بہت بھرا ہوا نہیں تھا مگر جو کچھ بھی مال وہ بنواتے تھے ' ٹھیک ٹھاک بک جاتا تھا اور عزت سے گزارا ہو رہا تھا۔ اسی آمدنی سے گھر بھی بنا لیا تھا۔ ایک بیٹی کی شادی بھی کر دی تھی۔ بنیادی طور پر وہ محنتی اور ذمہ داری کا احساس رکھنے والے شخص تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ ان کے مزاج میں غصیلا پن بھی تھا۔ بلکہ کسی حد تک سخت مزاج۔ ' زندگی ' افراد اور معاشرے کے بارے میں ان کے اپنے مخصوص نظریات تھے ' جن پر وہ سختی سے کاربند تھے۔

انہیں لوگوں سے حتیٰ کہ رشتے داروں سے بھی بہت زیادہ میل جول پسند نہیں تھا۔ ایک حد میں رہ کر وہ سب سے ملتے تھے "وہ" سے مراد امیر عثمان نہیں بلکہ ان کی فیملی ہے۔ جو ان کے بنائے ہوئے ضابطوں ' قاعدوں اور قوانین پر پوری طرح عمل پیرا تھی۔ بیٹی ہو یا بیٹا میٹرک کے بعد کالج کی اجازت کسی کو نہیں ملی۔ جسے آگے پڑھنا ہو وہ پرائیویٹ پڑھ لے گھر پر ٹیوٹر کے بندوبست کی سہولت موجود تھی۔

وہ خود اڈے کے کام کے بہت اچھے کاریگر تھے۔ اپنے تمام بچوں کو چھوٹی عمر سے ہی یہ ہنر سکھانا شروع کر دیا تھا۔ بچے بڑے ہوتے گئے اور خود بھی کاریگر بنتے گئے۔ گھر کے تمام کام لگے بندھے انداز میں ہوتے تھے۔

ان کے رعب اور مہیا کی گئی تمام تر سہولیات نے بیوی بچوں کو ایک سانچے میں ڈھال دیا تھا ' ان کی مرضی کے سانچے میں ' بچے خاص طور پر لڑکے ' ان کے بنائے ہوئے دائرے سے معمولی سا باہر نکال کر تھوڑی بہت اپنی مرضی کی انجوائے منٹ کر لیتے مگر دائرے سے باہر زیادہ آگے تک جانے کی ہمت نہیں تھی ان میں۔ تھوڑی بہت دل پشوری کر کے ہی خوش ہو لیتے۔

ولید عرف گڈو ' نعمان عرف نومی اور زوہیب تینوں بھائی بڑے انہماک سے ایل ای ڈی کے آگے جھکے ہوئے تھے ' ابو کے آنے کا ٹائم ابھی نہیں ہوا تھا۔ آ بھی جاتے تو وہ نیچے ہی ہوتے تھے۔ ایک آدھ چکر لگا لیتے تھے کام کا جائزہ لینے کے لیے کہ کہاں تک پہنچا۔ اوپر کے پورے پورشن میں دو کمرے لڑکوں کے تھے ' باقی ایک ہال نما کمرے میں یہ لوگ اپنا کام کرتے تھے۔

"پتا نہیں گڈو نے دوپٹے میں لئی ٹھیک سے لگائی کہ نہیں ' کہیں ریلنگ کے چکر میں الٹی سیدھی ' تھوپ دی ہو۔" صفا کو معاً یاد آیا تو فکر لاحق ہو گئی۔

"دیکھ ہی لوں۔" کچھ دیر ادھیڑ بن میں رہنے کے بعد بالآخر وہ کھڑی ہو گئی۔

اس ہال نما کمرے کے آگے ' گلی کی طرف ایک چوڑی اور لمبی بالکنی تھی جو تین طرف سے لوہے کی گرل سے پیک تھی ' چوتھی طرف کمرے کی دیوار اور کھڑکی تھی۔ تیار شدہ کپڑوں اور دوپٹوں کو لٹی لگا کر سوکھنے کے لیے یہیں رکھتے تھے۔ یہاں اڈا پورا آجاتا تھا اور ہوا بھی اچھی آتی تھی۔

دوپٹے کا معائنہ کر کے وہ مطمئن ہو گئی۔ لئی تو ٹھیک لگائی تھی گڈو نے ' اس نے بالکنی میں آتی فرحت بخش ہوا اپنے چہرے پہ محسوس کی ' بالکنی کی دیوار اس کی ناک تک آتی تھی پھر گرل شروع ہو جاتی تھی وہ پانچ فٹ دو انچ کی دبلی پتلی سی لڑکی تھی۔ ابو نے دیوار اپنے قد کے حساب سے بنوائی تھی ' وہ لمبے تھے۔ گھر میں اور کوئی ان کی طرح لمبا نہیں تھا ' ہاں فیض تھا جو ان کی ہی طرح لمبا تھا۔

صفا اندر آ کر دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گئی مگر دل و دماغ کہیں اور بھٹک رہے تھے۔ فیضی کا خیال آتے ہی اس کی باتیں اور حرکتیں یاد آنے لگیں ' جنہیں وہ اس کے منہ پر تو اوٹ پٹانگ اور فضول کہتی تھی مگر پیٹھ پیچھے ' اس کی وہی باتیں اور حرکتیں سوچتی تو

www.urdupalace.com

اس کے دل میں گدگدی سی ہونے لگتی اور کبھی کبھی اس کی باتیں ایسی ہوتی تھیں جو دل کو چھونے کے بجائے ٹھک سے دل پہ جا کر لگ جاتیں۔ ابھی تو آیا تھا وہ پچھلے ہفتے' ابو کے سامنے تو بڑا مودب بنا رہتا تھا۔ شائستگی اور تہذیب کے سارے ریکارڈ توڑ دیتا تھا۔ اور ان کے پیچھے اپنے ہی بولنے کے پچھلے ریکارڈ توڑتا رہتا تھا۔ ہر بار صفا کو کوئی نہ کوئی نام یا خطاب دے جاتا تھا اس بار اسے بار بار پنجرے کا قیدی کہہ کر چھیڑتا رہا تھا۔

"تمہارا دل نہیں گھبراتا اس قید میں؟ کبھی پنجرے سے باہر نکل کر کھلی ہوا میں سانس لینے' آزاد فضاؤں میں اڑنے کا دل نہیں چاہتا تمہارا؟"

اف اس کے نان اسٹاپ سوالات۔ صفا کی کالی گھور سیاہ آنکھوں میں برہمی ہلکورے لینے لگتی۔

"تمہیں یہ وہم کب سے ہو گیا کہ ہم پنجرے کے قیدی ہیں؟ ہمارے ابو ہمیں سب جگہ گھماتے ہیں' شاپنگ پر بھی لے جاتے ہیں۔"

"اچھا! سال چھ مہینے میں ایک آدھ بار کبھی گھومنے چلی گئیں یا شاپنگ کر لی تو بڑا تیر مار لیا۔ اسکول کے بعد کالج کا منہ نہیں دیکھا' یونیورسٹی کے بارے میں تو خواب میں بھی نہیں سوچ سکتیں۔ اکیلے کہیں آنے جانے کی' سہیلیاں بنانے کی' موبائل رکھنے کی تمہیں اجازت نہیں۔ چلو بتاؤ' تمہیں ہمارے گھر یعنی اپنی سگی خالہ کے گھر آئے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے۔"

"عید پر تو آئے تھے۔" صفا بے ساختہ بولی۔

"اور اب دوسری عید آنے والی ہے' اگلے ماہ سے رمضان کا مہینہ شروع ہو رہا ہے۔" فیضی نے اسے لاجواب کیا تھا۔

"اپنے ہی کام اتنے ہیں' فرصت ہی نہیں ملتی۔" صفا نے بے نیازی دکھائی مگر وہ بھی اپنے نام کا ایک ہی تھا۔

"کیا نہیں ملتی؟ فرصت یا اجازت؟"

"تم ہمارے ابو کے پیچھے کیوں پڑے رہتے ہو؟" صفا نے گھورا۔

"کیوں کہ انہوں نے تم سب کو پنجرے کا قیدی بنایا ہوا ہے۔"

"امی کے سامنے کرو ایسی باتیں' بتائیں گی تمہیں۔"

"توبہ کرو۔" اس نے کانوں کو چھوا۔

"ایک میری امی' ایک تمہاری امی' ایسی شوہر پرست خواتین' اپنی اس جوانی میں کہیں اور نہیں دیکھیں۔" وہ ہنسا۔

"شرم نہیں آتی' امیوں کا مذاق اڑا رہے ہو۔"

"مذاق نہیں اڑا رہا یار! قسم سے کبھی کبھی میں بڑا ایکسائیٹڈ ہوتا ہوں۔ سوچتا ہوں' کاش مجھے بھی ایسی ہی بیوی ملے' میری امی کا عکس لیے کوئی لڑکی یا خالہ کا رنگ لیے کوئی لڑکی۔ ویسے کہنے والے کہتے ہیں کہ تم بالکل خالہ جیسی ہو۔" فیضی نے چند لمحوں بعد اچانک کہا اور صفا یک ٹک اسے دیکھتی ہی رہ گئی۔

"آپا!" ردا نے اندر آتے ہوئے اسے پکارا۔

"ہاں!" وہ اپنے خیالوں سے چونک پڑی۔

"جیا آپا کا فون آیا تھا' وہ رات میں آئیں گی۔ انہوں نے کہا ہے کہ دہی بڑے بنا لیجیے گا۔" جیا کو ہی کیا' گھر بھر کو صفا کے ہاتھ کے دہی بڑے بہت پسند تھے۔ یہ اور بات تھی کہ اسے دہی بڑوں کے علاوہ اور کچھ پکانا' کچھ اتنا اچھا نہیں آتا تھا۔

"اچھا ٹھیک ہے' میں اپنا کام جلدی نپٹا کر آتی ہوں۔"

صفا نے سر ہلایا اور ہاتھ تیزی سے چلانے لگی' ہاتھ کے ساتھ ساتھ خیالات کی رو بھی تیزی سے چل رہی تھی۔ فیضی کی باتیں یاد کرتے کرتے دماغ میں اور ہی لہر چل پڑی۔

"کیا ہم واقعی پنجرے کے قیدی ہیں؟" اسے زندگی میں بہت سی چیزوں کا خیال آتا تھا کہ اگر وہ ہوتیں تو اچھا ہوتا۔ ذاتی موبائل رکھنے کی آزادی' انٹرنیٹ تک رسائی' اس کے لیے فینٹیسیز کے ساتھ ساتھ شجر ممنوعہ تھیں۔ کالج' یونیورسٹی جیسے خواب کبھی کبھی اسے آزردہ کر دیتے تھے۔

www.urdupalace.com

وہ پرائیویٹ بی اے فائنل کا امتحان دے رہی تھی۔ پچھلے سال اس کی پرسنٹیج بہت اچھی آئی تھی' اتنی اچھی کہ اس کی ٹیوٹر مسز ابراہیم شیخ نے اس سے کہا کہ جتنی محنت اس میں کی ہے' اس سے تھوڑی زیادہ اور کرلینا' پھر فائنل میں تمہاری بورڈ کی پوزیشن کوئی نہیں روک سکتا۔

"کیوں اتنے اونچے اونچے خواب دکھا رہی ہیں۔" وہ ہنس پڑی تھی۔

رشتے داروں کے ہاں' محلے والوں کے ہاں' بہت زیادہ آنا جانا نہیں تھا' جب وہ چھوٹی تھی تو اس کا بہت دل چاہتا تھا کہ وہ بھی اور بچوں کی طرح اپنی نانی کے گھر رہنے جائے۔ رکنے جائے' بڑی ہوئی تو اس محرومی پر بھی صبر کرلیا یا پھر سمجھوتہ کرلیا۔ گھر میں کزنز لڑکے ہوں یا لڑکیاں' کم ہی آتے تھے' بس ایک فیضی تھا جو پچھلے ایک سال سے گڈو' ٹوبی اور زوہیب کو پڑھانے لگا تھا تو اس کی آمد معمول بن گئی تھی' مگر صفا سے اس کا ٹاکرا یا مناظرہ معمول نہیں تھا۔ ہفتے دو ہفتے میں کبھی وہ چائے کا کپ لے کر خالہ سے اجازت لے کر چھت پر جاتا تو بیچ میں ٹھہر کر دس پندرہ منٹ صفا سے چھیڑ چھاڑ کر کے منہ کا ذائقہ بدل لیتا۔ دراصل یونی میں اس کے حلقہ احباب میں جو لڑکیاں تھیں وہ تقریباً" سب کی سب ہی بڑی شارپ' صاف گو اور ذہانت و فطانت سے مالا مال تھیں' وہ نہ خود کو لڑکیاں سمجھتیں اور نہ اسے لڑکا۔

کبھی وہ اپنے لڑکا ہونے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کسی کو لائن دینے کی کوشش کرتا یا کوئی ذو معنی فقرہ کہتا تو پنجے جھاڑ کر اس کے پیچھے پڑ جاتیں۔

"اے مسٹر! یہاں تعلیم حاصل کرنے آئے ہو۔ وہی کرو' ہیرو بننے کا شوق ہے تو ناپا میں ایڈمیشن لے لو۔"

بے حد ڈیشنگ' ہینڈسم اور اسمارٹ سا فیض احمد عرف فیضی اپنا سامنہ لے کر رہ جاتا۔

اور پھر ایک بار تو حد ہی ہوگئی۔ علیزے خان' ان کے گروپ کی' اتنی خوب صورت' طرح دار' فیضی بے اختیار اپنے دل سے مجبور ہو کر اسے کئی بار "تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔" کہہ بیٹھا۔

خوب صورت' طرح دار علیزے خان نے ایک روز پورے گروپ کے سامنے بیٹھ کر اس سے پوچھ لیا۔

"میں تمہیں بہت اچھی لگتی ہوں نا' پھر اب بتاؤ' اپنے والدین کو کب بھیجو گے میرے گھر رشتہ لینے اور ہم شادی کب کریں گے؟"

سب کا ہنستے ہنستے برا حال ہوگیا۔ غصے اور اہانت سے فیضی کا منہ سرخ ہوگیا۔

"لعنت ہو تم پہ۔" کہہ کر وہاں سے واک آؤٹ کر گیا تو ایسا پس منظر اور حلقہ احباب رکھنے والے فیضی کو خالہ کی نسبتاً" سیدھی سادی' بھولی بھالی دنیا بھر کی مکاریوں اور چلتر پن سے دور' صفا اچھی لگنے لگی تھی۔

اگر یہ بات وہ صفا کو بتاتا تو وہ علیزے کی طرح کبھی بھی اس کا مذاق نہیں اڑائے گی' اسے یقین تھا اور وہ کوئی بہت زیادہ نظریاز یا فلرٹی قسم کا لڑکا نہیں تھا۔ فائنل ہوتے ہی جاب کرنی تھی اور پھر رشتہ اور شادی' اس نے سارا منصوبہ دل ہی دل میں بنایا ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

عافیہ سکندر کو اہتمام سے آئینہ دیکھے ہوئے ہفتوں گزر جاتے تھے' بس روزانہ اسکول جاتے وقت جلدی جلدی چہرے اور گردن پر کریم تھوپی' لپ اسٹک رگڑی اور یہ جا وہ جا' مگر سکندر آج بھی ان کی آنکھوں کی' زلفوں کی' لب و رخسار کی تعریفیں کرتے تھے۔

"کیا واقعی میں آج بھی حسین ہوں یا سکندر کی نظروں کا حسن ہے' جو مجھے حسین بنائے ہوئے ہے۔"

آج وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنا جائزہ لے رہی تھیں۔ ان کی کولیگ مسز جمال کا کہنا تھا کہ "مرد ذات بڑی بدذات ہوتی ہے۔" ان کے شوہر نے انہیں اپنی محبت کے منتر سے یوں مسحور کر رکھا تھا کہ انہیں دو سال بعد اپنے میاں کی دوسری خفیہ شادی کا پتا چلا تھا۔ اور مس فریدہ یہی بات عورتوں کے متعلق کہتی

www.urdupalace.com

تھیں کہ برسوں پہلے ان کی خوب صورت سہیلی نے ان کے منگیتر کو اپنے دام الفت میں پھنسا کر شادی رچالی تھی اور مس فریدہ آج بھی کنواری تھیں۔ اب تو عمر کی سہ پہر ڈھلنے لگی تھی۔ سب کے اپنے اپنے تجربات ہوتے ہیں جن کی کسوٹی پر وہ کسی کے بھی متعلق رائے قائم کرتے ہیں۔ اس سے آگے بڑھ کر اسے نظریہ بنالیتے ہیں اور پھر عقیدہ۔

عافیہ سکندر محبت کے سفر میں چلتے چلتے اب تھکنے لگی تھیں۔ کبھی کبھی قدم لڑکھڑا بھی جاتے تھے۔ اس سفر میں سکندر سمیت سب کا بوجھ ان ہی کے کندھوں پر تھا تو کیسے نہ تھکتیں۔

کیا واقعی مرد ذات بڑی بدذات ہوتی ہے۔ محبت کی بین ہی بجاتا رہتا ہے اور عورت زندگی کی پٹاری میں جھوم جھوم کر قید ہوتی رہتی ہے۔ اب چاہے دم گھٹے یا دم نکلے اسی دائرے میں گھومتے رہو۔

پریا کی شادی کے لیے وہ جتنا پریشان تھیں، سکندر اس کا عشر عشیر بھی نہیں تھے۔ ان کی وہی باتیں، وہی منصوبے، ڈیزائنر سوٹ اپنا بوتیک، شاندار کاروبار، اس سے بھی شاندار منافع مگر ہوائی قلعے بنانا بہت آسان اور عملی طور پر کوئی قلعہ تعمیر کرنا؟ محنت لگتی ہے اور بہت، بہت زیادہ محنت لگتی ہے اور ایک یہی کام تھا جو ان کے بس میں نہیں تھا اور جس کے بس میں یہ کام نہ ہو وہ زندگی میں کبھی کچھ نہیں کرسکتا۔

سکندر بخت، خوش بخت تھے کہ بیوی کے دل پہ راج کرکے اور سر پہ چڑھ کے اتنی مسافت طے کرلی ورنہ ایسے لوگوں کی جگہ عموماً ٹھوکروں میں ہی ہوتی ہے۔

عافیہ سکندر سوچ سوچ کر اور پریشان ہو ہو کر تھک گئیں تو مسز سے بات کی۔ سکندر کا مشورہ بھی انہیں بتادیا سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئے اور زبان روکتے روکتے بھی بیٹے کی شان میں دو چار القابات نکل ہی پڑے۔

"نالائق، ناہنجار، بے غیرت، الو کا پٹھا۔" گولی کی سی رفتار سے الفاظ ان کے منہ سے نکلے اور گولی بن کر ہی عافیہ کے دل میں پیوست ہوگئے۔

ایک تو محبت کرنے والوں کے ساتھ یہ مصیبت بھی خوب ہے کہ محبوب کی خامیوں پہ خود بے شک کڑھتے رہیں مگر کوئی دوسرا ان زخموں کو کریدے تو دل دکھنے لگتا ہے۔

بیچنے کو تو میں یہ پلاٹ بیچ دوں، پریا کی شادی ہوجائے گی دھوم دھام سے پھر؟ آگے جو دو اور ہیں ان کی شادیوں پہ کون سے پلاٹ بیچنے کا مشورہ دے گا یہ....."

بہو کی شکل دیکھ کر انہیں ترس آیا تو نرم لہجے میں بولے۔

"میں کب کہہ رہی ہوں کہ آپ پلاٹ بیچیں میں تو بس اپنے دل کا بوجھ ہلکا کرنی آئی ہوں آپ کے پاس، ورنہ مجھے اچھی طرح احساس ہے کہ پریا کی شادی آپ کی نہیں ہماری ذمہ داری ہے۔"

"جتنا احساس، ہربات کا تم رکھتی ہو اس سے آدھے سے آدھا بھی تمہارا شوہر کرلے نا تو گھر کے بہت سے مسئلے حل ہوجائیں۔ ناممکن بات کرنے سے بہتر ہے، ممکنات پر بات کریں۔"

عافیہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیں۔ ان کے پاس کیا حل تھا۔

"کچھ رقم بنک میں جمع ہے۔ لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ ہوں گے، وہ دے دوں گا۔"

"وہ آپ نے جس مقصد کے لیے جمع کیے ہیں اللہ اسے پورا کرے، آپ کچھ دینے یا کرنے کے لیے پریشان مت ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں آپ سے سب مسئلے ڈسکس کرتی ہوں۔ اسی لیے یہ بات بھی کرلی۔ سکندر اور بچوں کا تو آپ کو پتا ہی ہے۔ ان لوگوں سے کچھ کہنا بے کار ہے۔" عافیہ ان کی پیش کش سن کر شرمندہ سی ہوگئیں۔ انہیں معلوم تھا کہ وہ اپنی پنشن کے پیسوں سے عمرے کے لیے رقم جمع کررہے تھے۔

"پھر کیا کروگی؟"

"اللہ مسبب الاسباب ہے۔ کوئی نہ کوئی سبب تو بنا ہی دے گا۔" وہ بوجھل دل کے ساتھ وہاں سے اٹھ گئیں۔

www.urdupalace.com

اور اللہ واقعی مسبب الاسباب ہے۔ بڑی آپا کی کمیٹی کھلی تھی۔ دو ماہ پہلے ہی شروع ہوئی تھی' تیسری ان کی کھل گئی۔ دس ہزار پہ چار لاکھ کی' وہ کمیٹی انہوں نے عافیہ کو دے دی۔

"یہ لو بھئی' اللہ نے انتظام کر دیا تمہارے مسئلے کا' اب آگے کی کمیٹی تم بھرتی رہنا' جو تین میں نے بھری ہیں ان کا حساب کر دینا' جب تمہیں آسانی ہو۔"

"آپا!" شدت جذبات سے ان کا گلا رندھ گیا' بڑی بہن تھیں' ماں کی جگہ' کبھی کبھی بالکل ہی ماں بن جاتی تھیں۔

"چلو بس' زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔" انہوں نے عافیہ کا ہاتھ تھپتھپایا۔

"ہاں کہتے تو یہی ہیں کہ اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں مگر شوہر کا' باپ کا رشتہ بھی تو اپنا ہوتا ہے پھر سکندر کیوں اپنا نہیں بنا' نہ بیوی کے لیے۔ نہ بیٹی کے لیے شاید کچھ اپنے ایسے ہی ہوتے ہیں پرائے جیسے۔"

"زیور تو ہے نا تمہارے پاس۔"

"ہاں' اس کو دے کر نئے ڈیزائن کا سیٹ لے لوں گی' کڑے پچھلے سال پریا کی پسند کے بنوائے تھے' وہ رکھے ہیں۔"

مسئلہ حل ہو گیا تھا مگر آگے ایک اور مسئلہ تھا' پہلے ہی اچھی خاصی رقم کمیٹیوں میں بھر رہی تھیں' اب اکٹھی دس ہزار کی رقم نکالنا بہت زیادہ مشکل تھا۔ مگر پھر انہیں فیضی کا خیال آیا۔ اس کا فائنل ایئر تھا۔ شام میں وہ ایک کوچنگ سینٹر میں پڑھا رہا تھا۔

"فیضی سے کہوں گی کہ آدھی کمیٹی وہ بھر دے' آدھی میں بھر دیا کروں گی۔" وہ سوچ کر مطمئن ہو گئیں۔

مگر فیضی تو پھر صرف فیض احمد تھوڑی تھا۔ فیض احمد سکندر بخت بھی تو تھا۔ جو جینز ورتے میں ملے تھے اس میں ایک خود غرضی کا بھی تھا۔ اپنے باپ کی طرح اسے بھی نئے نئے نکات خوب سوجھتے تھے۔

"مجھے ملتے ہی کتنے ہیں جو اس میں سے کمیٹی بھی بھر دوں۔ میرے اپنے خرچے کیا کم ہیں اور یہ بات آپ پریا سے کیوں نہیں کہتیں۔ جو کماتی ہے اڑا دیتی ہے۔ شادی اس کی ہے' خرچے اس کے ہیں' کمیٹی تو وہ خود بھی بھر سکتی ہے۔ بلکہ اسے ہی بھرنی چاہیے۔ اچھا خاصا کماتی ہے اسی لیے تو شادی کے بعد بھی اپنی جاب چھوڑنے پر راضی نہیں۔ پہلے ہی سسرال والوں سے بات کر لی کہ بعد میں بھی جاب کرتی رہے گی۔"

تقریر جھاڑتا ہوا وہ ہو بہو سکندر بخت لگ رہا تھا۔ عافیہ بے بسی سے اسے دیکھتی اور سنتی رہ گئیں۔

"شادی کے بعد وہ اپنی سسرال میں ہو گی' اچھا لگے گا کہ اپنی کمائی سے یہاں کمیٹی بھرے؟"

"تو کیا ہوا؟ اس کی شادی پہ یہ کمیٹی خرچ ہو گی۔ آدھی بھر دے گی تو کیا قیامت آجائے گی اور ویسے بھی اس کے سسرال میں ہے ہی کون' کچھ کہنے' بولنے والا' ساس خود لیکچرار ہیں۔ سسر بھی جاب کرتے ہیں۔ نندیں شادی شدہ اور وہ ہمارے پیارے' بہنوئی اللہ میاں کی گائے' سب لوگ اتنے سوئٹ ہیں۔ آپ کو کس کا ڈر ہے؟"

"بے شک سب لوگ بہت سوئٹ ہیں مگر پھر بھی مجھے اچھا نہیں لگتا۔"

"آپ کو اس لیے اچھا نہیں لگتا کہ آپ میں مروت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔"

"یہ مروت نہیں ہے' ماں کی محبت ہے۔"

"ہو سکتا ہے مگر آپ حد سے زیادہ بامروت ہیں۔ جن لوگوں کی آپ ماں نہیں ہیں۔ آپ ان سے بھی بہت زیادہ مروت دکھاتی ہیں۔"

فیضی سچ کہہ رہا تھا' وہ خاموش ہو گئیں۔ گھر میں سب کو معلوم تھا کہ امی کس ٹینشن میں ہیں اور کن مسئلوں سے دوچار ہیں مگر احساس کسی کو نہیں تھا سوائے دادا جان اور ان کی پوتی کے۔ سونیا ایف ایس سی میں تو بڑا اچھا رزلٹ لائی تھی مگر میڈیکل کے انٹری ٹیسٹ میں ناکام ہو گئی تھی۔ سو اب بی ایس سی کر رہی تھی' شام میں۔ اس نے حال ہی میں اکیڈمی جوائن کی تھی۔ فزکس' کیمسٹری' بائیولوجی تینوں مضامین میں

www.urdupalace.com

اچھی تھی۔ سو یہ مضامین پڑھانے کا معقول معاوضہ مل رہا تھا۔

مہینہ ختم ہوا' سیلری ملی تو پانچ ہزار ماں کے ہاتھ پہ رکھ دیے۔ وہ اتنی حیران ہوئیں کہ آنکھیں بھر آئیں۔ دراصل اتنے سالوں میں اپنے کندھوں پہ بوجھ اٹھانے کی عادت پڑ گئی تھی۔ بیٹی نے معمولی طور پر اپنا کاندھا پیش کیا تو ان کے کاندھے سبک ہو گئے اور دل بھر آیا۔ سارے ہی سکے کھوٹے نہیں تھے۔ یہ تو بڑا نایاب بڑا قیمتی سکہ تھا۔

☆ ☆ ☆

پریا کی شادی سے دو ہفتے پہلے سکندر کی کزن ٹورنٹو سے آگئی تھیں اپنے ایک عدد بیٹے کے ہمراہ' میکے کے نام پر ایک سگا بھائی تھا جو خود آسٹریلیا میں تھا' ایک بہن اسلام آباد میں وہاں ایک ہفتہ رہ کر کراچی آئیں۔ بڑی اسمارٹ سی چاق و چوبند اور محنتی' وہاں ایک جم میں ملازمت کرتی تھیں۔

پانچ سال ہو گئے تھے شوہر کے انتقال کو اور دو سال پہلے ان کا بیٹا انجینئر بنا تھا۔ یہاں آنے کا ان کا مقصد وہی تھا جو عموماً "پدیس رہنی والی بہت سی فیملیز کا ہوتا ہے کہ اپنی جوانی ساری وہیں گزاریں گے' بچوں کو چھوٹے سے بڑا کر لیں گے اور جب شادی کا وقت آئے تو بر ڈھونڈنے کے لیے دیس کی طرف بھاگے بھاگے آتے ہیں۔ لڑکی کی تلاش ان کا نہیں ان کے بیٹے کا مسئلہ تھا۔ لڑکیوں کے ساتھ پڑھتا تھا لڑکیوں کے ساتھ جاب کرتا تھا۔ اسے کوئی لڑکی سمجھ میں نہیں آتی تھی' نہ دیسی' نہ بدیسی پھر بھی وہ لے آئی تھیں ادھر' کیا پتا کوئی پسند آ ہی جائے' اتنی پسند کہ اس سے شادی کا فیصلہ کر ہی لے۔

عافیہ نے چھٹیاں لی ہوئی تھیں۔ کتنے کام نمٹ گئے تھے۔ کتنے رہ گئے تھے وہ تن دہی سے لگی ہوئی تھیں انہیں اردگرد کا دھیان ہی نہیں تھا کہ وہ ٹورنٹو سے آنے والا شکیب عرف شوبی' سونیا سے کتنے سوالات کرتا ہے۔ اس کی دوستی دادا سے بھی بہت اچھی ہو گئی تھی۔ ان کی محفل میں سکندر ربخت بھی شامل تھے۔ وہ اپنے شان دار پلانز' اونچے اونچے منصوبے اسے بتاتے اور وہ زیر لب مسکراتا رہتا۔ اس کی "نام" اسے آنکھوں آنکھوں میں گھورتیں' خاموش' تنبیہہ کرتیں اور دادا قہقہہ لگاتے ہوئے اسے تھپکی دیتے۔

"یار! تو پلا بڑھا ہے کینیڈا میں مگر تیری بعض عادتیں پکی پاکستانیوں والی ہیں۔"

"بعض نہیں' تقریباً" ساری' بائے برتھ اور بائے جینز تو میں پاکستانی ہی ہوں۔" وہ مزے سے جواب دیتا۔

"آپ کو معلوم ہے مس سونیا! زندگی گزارنے کے لیے سب سے اہم چیز کیا ہے؟"

"آکسیجن' اس کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔" وہ سائنس کی طالبہ تھی اور ذہنی طور پر بھی سائنسی اور منطقی رجحان رکھتی تھی' جذباتیت سے دور۔

"اس سے بھی زیادہ ضروری ایک اور شے ہے۔" شوبی کی سرمئی آنکھوں میں شرارت کی چمک آجاتی۔

"ہوا' غذا' سانس' پانی۔" وہ ایک ہی سانس میں کئی جوابات دے ڈالتی' کوئی تو صحیح ہو گا۔"

"اونہوں!" وہ نفی میں سر ہلاتا۔ "سوال پہ غور کرو۔" زندگی گزارنے کے لیے....؟" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتا۔

"دولت؟ قسمت؟ عزت؟ محبت؟" وہ دوسرے زاویے سے سوچنے کی کوشش کرتی۔

"تمہارا آئی کیو بہت پور ٹائپ ہے۔" وہ افسوس سے سر ہلاتا ہوا سونیا کو زہر لگتا۔ کس نے کہا تھا اس شخص کو کہ سونیا کا امتحان لے لے کر اس کی ذہانت چیک کرے اور ریمارکس دے۔

"اب ہے کیا اس سوال کا جواب؟" وہ جھنجلا جاتی صبر کا بھی امتحان لیتا ہے یہ آدمی اچھے بھلے لڑکے کو وہ کبھی شخص تو کبھی آدمی کے خطاب سے نوازتی مگر دل ہی دل میں۔

"زندگی گزارنے کے لیے سب سے ضروری شے خود زندگی ہے میڈم! زندگی ہو گی تو ہم اسے گزاریں

www.urdupalace.com

گے نا۔"

احمقانہ سوال اور اس سے بھی زیادہ احمقانہ جواب، وہ بھنا جاتی، بیٹے سے اچھی ماں تھی علی الصبح اٹھ کر خود بھی ایکسرسائز کرتی تھیں اور جو بھی بیدار ملتا اسے بھی کرواتیں۔

دادا کو تو انہوں نے آسان آسان سی ایک دو ایکسرسائز کی اچھی پریکٹس کروادی تھی۔ سونیا کو بھی شوق ہو رہا تھا خود کو فٹ رکھنے کا شادی تک تھوڑی سی تو سکم ہو ہی جاؤں۔ اس کا بدن تھوڑا گداز تھا، جسے وہ موٹاپا کہتی اور موٹاپا ہی سمجھتی تھی۔

آم دیکھ دیکھ کر کب سے دل للچا رہا تھا۔ کھانے کے بعد سب آم کھاتے تھے۔ وہ بھی کھاتی تھی مگر مزا نہیں آتا تھا۔ آم بھی کوئی چمچے اور کانٹے سے کھانے کی چیز ہے؟ تمیز تہذیب کا مظاہرہ تو ہو جاتا ہے مگر آم کھانے کا سارا لطف جاتا رہتا ہے۔

سہ پہر کے وقت تقریباً" سب ہی قیلولہ کرتے تھے سو اس نے فریج سے آم نکالے اور چھیل کاٹ کر ٹرے سمیت لاؤنج میں بیٹھ گئی۔

"اف کتنا مزا آتا ہے ایسے آم کھانے میں۔" گٹھلی ہاتھ میں لیے وہ مزے سے چوس رہی تھی۔

"اچھا تو آم ایسے بھی کھائے جاتے ہیں؟" پتا نہیں وہ غیر ملکی جاسوس کب سے اس کی جاسوسی کر رہا تھا۔

سونیا کے ہاتھ سے گٹھلی چھوٹتے چھوٹتے بچی۔

"آم ایسے بھی نہیں، بلکہ ایسے ہی کھائے جاتے ہیں۔" شرمندہ ہونے کے بجائے اس نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔

"اس میں کیا خاص بات ہے؟" وہ آگے بڑھا۔

"ایسے کھانے سے آم زیادہ میٹھا اور زیادہ مزے دار لگتا ہے۔"

"کھا کے دیکھوں؟" شوبی نے ایک گٹھلی اٹھائی۔

"ارے یہ کیا کر رہے ہیں آپ؟" وہ گڑبڑا گئی۔

"کپڑے خراب ہو جائیں گے آپ کے؟"

"آپ کے تو نہیں ہوئے۔"

"مجھے تو پریکٹس ہے، میں بچپن سے اس طرح آم کھا رہی ہوں۔" سونیا نے تیزی سے جواب دیا۔

"مجھے آپ سے زیادہ پریکٹس ہے۔ میں بھی اپنے بچپن سے اسی طرح آم کھا رہا ہوں، ان فیکٹ پورے سب کونٹینینٹ کی عوام آم اسی طرح کھاتی ہے۔ چاہے وہ کہیں بھی رہتے بستے ہوں ویسے میں اور دادا تو روزانہ رات بارہ بجے کے بعد اسی طرح آم کھا رہے ہیں۔ آپ کو صبح کچن میں آم کے چھلکے اور گٹھلیاں نہیں ملتے تھے؟ یا شاید آپ نے کبھی نوٹس ہی نہیں کیا، آئی کیو کے ساتھ ساتھ آپ کی آبزرویشن بھی خاصی کمزور ہے۔"

وہ مزے سے گٹھلی چوستا جا رہا تھا اور بولتا جا رہا تھا۔ سونیا آنکھیں پھاڑے اسے دیکھ رہی تھی اور سن بھی رہی تھی۔ یکایک غصے کی ایک شدید لہر نے اس کے تن بدن میں آگ سی لگا دی۔ یہ شخص خود کو بھلے سے افلاطون سمجھے، آئینسٹائن دی گریٹ سمجھے، اسٹیفن ہاکنگ یا بل گیٹس سمجھے مگر مجھے بے وقوف سمجھنے اور بنانے کی جرات کیسے ہوئی اسے؟ وہ غصے میں تن کر کھڑی ہو گئی۔

"بیٹھ جائیے، غصہ صحت کے لیے مفید نہیں ہوتا۔" شوبی نے ہاتھ ہلا کر جیسے مکھی اڑائی تھی اور ہاں واقعی اس نے وہ موٹی سی مکھی ہی اڑائی تھی جو آم کی خوشبو پر فوراً" آجاتی ہے۔

"آپ مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں؟" غم و غصے کے مارے اس کی آواز پھٹ سی گئی۔

روزانہ کھانے اور ناشتے کی میز پر یہ شخص اتنی تمیز کا مظاہرہ کرتا تھا کہ اس کی وجہ سے اس نے چائے میں بسکٹ پاپے اور کیک رسک بھگو بھگو کر کھانے چھوڑ دیے تھے مبادا وہ انہیں غیر مہذب، تمیز سے عاری نہ سمجھے وہ اتنی نفاست اور رکھ رکھاؤ کا مظاہرہ کر رہی تھی تاکہ گاؤدی اور پینڈو نہ سمجھی جائے اور یہ شخص؟ اس نے دانت کچکچا کر اسے گھورنے کی کوشش کی مگر گھور نہیں سکی اس کی سرمئی آنکھوں نے سونیا کی سیاہ آنکھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا۔

"ویسے تم چاہو تو اپنے فیورٹ بسکٹ، کیک رسک اور

www.urdupalace.com

کوکیز وغیرہ چائے کے ساتھ جیسے چاہو کھا سکتی ہو۔ کوئی بھی تمہیں ال مینرڈ یا ان کلچرڈ نہیں سمجھے گا' میں نے تو خود اپنے کئی کینیڈین فرینڈز کو اسی طرح چائے بسکٹ کھانے سکھائے ہیں میں ٹی پارٹیز کرتا تھا نا تو اس میں چائے بسکٹ کھانے کا یہی اسٹائل رکھتے تھے۔ ہم کلچر از کلچر اس میں شرمانے کی بات کیا ہے؟"

بلا کا اطمینان اور سکون تھا اس کے لہجے میں جیسے خوشگوار موسم پر تبادلہ خیال کر رہا ہو اس سے۔

"آپ کو میرے بارے میں اتنی انفارمیشن کس نے دی ہے۔ دادا نے؟"

"دادا کیوں دیں گے انفارمیشن؟ آپ نے خود بتایا ہے اپنے بارے میں یہ سب۔"

"میں نے؟" سونیا نے بے یقینی سے اسے دیکھا "آپ کو بتایا ہے یہ سب؟"

"جی ہاں' آپ نے بتایا ہے یہ سب صرف مجھے نہیں بلکہ ساری دنیا کو' آپ کے فیس بک اکاؤنٹ پر یہ ساری معلومات موجود ہیں اور کلچر کے نام سے آپ کی ساری پکس موجود ہیں آم کھاتے ہوئے' چائے میں بسکٹ ڈبو کر کھاتے ہوئے اور ہاں برآمدے والی تصویر تو بیسٹ ہے جس میں آپ پلنگ پر بیٹھی خود کو پنکھا جھل رہی ہیں اور آپ کے سامنے ساگ' مکئی کی روٹی اور لسی رکھی ہے۔

اف خدایا' ذرا سی تفریح اتنا شرمندہ کروائے گی کسی کے آگے اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

"وہ سب میری دوستوں کے لیے تھا۔" سونیا کا غصہ غائب اور شرمندگی شروع۔

"آپ کی دوستوں کے علاوہ بہت لوگ ہیں جو فیس بک سے لنکڈ ہیں۔ ویسے ہمارا کلچر صرف ان ہی چیزوں تک محدود نہیں ہے' اس کلچر کی اور بھی خصوصیات ہیں جو آپ میں موجود ہیں۔" وہ بولتا ہوا اٹھا اور فٹافٹ ہاتھ منہ دھو کر واپس بھی آگیا۔

"اور کون سی خصوصیات ہیں مجھ میں' کتنا شرمندہ کروائے گا یہ عامر لیاقت مجھے بولنا شروع ہو جائے تو چپ ہی نہیں ہوتا۔" سونیا وہیں بت بنی سوچے جا رہی تھی۔

"اب کیا اس حلیے میں بھی اپنی سیلفی لے کر لگائیں گی فیس بک پہ' اپنی دوستوں کے لیے؟ وہ ابھی تک ہنستے ہوئے ہاتھوں اور منہ کے ساتھ شوبی سے تکرار کیے جا رہی تھی۔

"افوہ!" وہ کراہی۔ اپنا آپ بھی بھول گئی تھی کہ کس حلیے میں ہے' فوراً "واش بیسن کی طرف دوڑ لگا دی۔ اور وہاں سے سیدھی اپنے اور سنعیہ کے مشترکہ کمرے کی طرف' ویسے وہ بزدل تو نہیں تھی کہ یوں راہ فرار اختیار کرتی۔ وہ تو چیلنج قبول کر کے ڈٹ کر مقابلہ کرنے والوں میں سے تھی' مگر یہ شخص مقابلے سے زیادہ تنگ کر رہا تھا۔ اس سے گریز ہی بھلا۔

وہ لیپ ٹاپ کے سامنے اپنا فیس بک اکاؤنٹ کھولے بیٹھی تھی اور اپنی پکس ہٹا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

آنکھوں میں بیک وقت' حیرانی بھی تھی' خوشی بھی اور سراسیمگی بھی۔

"ابو! کیا کہہ رہے ہیں؟" مٹھیاں بھینچ کر صفا نے اپنے ہاتھوں کی لرزش پر قابو پانے کی کوشش کی۔

"وہ ابھی مارکیٹ میں ہیں' تھوڑی دیر میں آ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے تم بات کرلو' وہ لوگ جو پوچھیں' ٹھیک سے جواب دے دینا۔"

"اچھا!" صفا کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ دراصل اسے کسی بات پر بھی یقین نہیں آ رہا تھا۔ اس کا ای اے کا رزلٹ آیا تھا۔ بورڈ میں اس کی تیسری پوزیشن آئی تھی۔ ملک کے سب سے مشہور و معروف اور کثیر الاشاعت اخبار کی نمائندہ' ایک خاتون صحافی اس کا انٹرویو لینے آئی تھیں' ویسے اسے کئی اخبارات اور میگزین کی طرف سے مبارک باد اور انٹرویو کی خواہش کے فون موصول ہوئے تھے۔ ابو کی اجازت سے اس نے سب سے ہی بات کی تھی۔

دھڑکتے دل کے ساتھ وہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے کچھ دیر پہلے ہی نہا دھو کر لان کا یہ نیا جوڑا پہنا

www.urdupalace.com

تھا۔ دوپٹہ سلیقے سے سر پر لیے' وہ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔ ایک خاتون صحافی اور ایک فوٹو گرافر۔

صحافی کا نام فریحہ الیاس تھا۔ وہ پہلے تو روایتی سوالات پوچھتی رہیں۔ پھر مستقبل کے بارے میں صفا کے عزائم اور ارادے جاننا چاہے تو وہ خاموش ہو گئی۔

"آگے کیا ارادے ہیں؟" اس کے ارادے تو ابو کی مرضی اور حکم کے تابع تھے۔

"ابھی تک تو پرائیویٹ پڑھا ہے مگر اتنے اچھے رزلٹ کے بعد یونیورسٹی میں ایڈمیشن؟" فریحہ الیاس ایک کے بعد ایک سوال کر رہی تھیں۔

"دراصل ابو نے اب تک پرائیویٹ پڑھنے کی اجازت دی ہے ہو سکتا ہے وہ آگے کے لیے بھی یہی پسند کریں۔" صفا نے یونی ورسٹی میں پڑھنے کا خواب ایک طرف رکھتے ہوئے سنبھل سنبھل کر جواب دیا۔

"آپ کی اپنی مرضی کیا ہے؟ ہر شخص کی کوئی نہ کوئی خواہش ہوتی ہے' آرزو ہوتی ہے۔ اس حوالے سے آپ کیا خواب دیکھتی ہیں؟ کیا سوچتی ہیں؟"

"میں اپنے ابو کی مرضی کے خلاف نہیں جاؤں گی' میرے خواب کچھ بھی ہوں' ان کی مرضی اور حکم کے تابع ہیں۔" صفا نے خوب سوچ کر مختصر لفظوں میں جواب دینے کی کوشش کی مگر وہ خاتون بال کی کھال نکالنے پر مصر تھیں۔

"آپ کو نہیں لگتا کہ فرسودہ خیالات اور رسم و رواج کے خلاف بغاوت ہونی چاہیے؟"

"میں اپنے معاملے میں ایسا نہیں سمجھتی' میری تعلیم نے مجھے والدین کی اطاعت سکھائی ہے' ان سے بغاوت نہیں۔ اللہ کے بعد میں اپنے ابو کی احسان مند ہوں کہ انہوں نے مجھے پڑھنے کا موقع بھی فراہم کیا اور اس کے لیے وسائل بھی مہیا کیے' اگر وہ مجھے اس حد تک سپورٹ نہیں کرتے تو شاید ہی میں یہ کامیابی حاصل کر سکتی۔ مجھے احساس ہے کہ کالج یا یونیورسٹی نہ جانا میرے لیے ایک بڑی محرومی ہے مگر میں یہ سوچتی ہوں کہ کیا ہوا جو گلاس آدھا خالی ہے' گلاس آدھا بھرا ہوا بھی تو ہے۔"

بولتے بولتے صفا کا حلق خشک ہو گیا۔ اس نے بوتل سے گلاس میں پانی انڈیلا اور گھونٹ گھونٹ پینے لگی۔

انٹرویو ہوا۔ اور چھپا اس کے ہنرمند ہاتھوں کی تعریف بھی ہوئی اور زرخیز دماغ کو بھی سراہا گیا۔

☆ ☆ ☆

حاجی صاحب دانتوں میں خلال کرتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم معلوم ہوتے تھے۔

"چائے منگواؤں؟" امیر عثمان نے ان کے چہرے پہ ادھیڑ بن کے تاثرات غور سے دیکھے۔ ان کی تاکید تھی کہ چائے ان سے پوچھ کر منگوائی جائے۔ وہ اپنے موڈ کے حساب سے چائے پیتے تھے۔

"چائے بھی اور مٹھائی بھی' یار ہماری بھتیجی نے تو کمال کر دیا اور تو نے مٹھائی بھی نہیں کھلائی؟" پورے بازار میں سلام دعا سب سے تھی مگر حاجی صاحب سے ایک خاص قلبی تعلق تھا ان کا' دونوں ہی ایک دوسرے کی عزت بھی کرتے تھے اور لحاظ بھی۔

"انٹرویو کل آیا ہے اخبار میں' اور آپ آج آئے ہیں' کھلا تا ہوں ابھی مٹھائی۔" امیر عثمان مسکرائے۔ بظاہر تو وہ سنجیدہ اور متین ہی نظر آتے تھے مگر بیٹی کی اتنی بڑی کامیابی پر دل ہی دل میں وہ بے حد خوش ہوئے تھے۔

انسانی دماغ دنیا کے عجائبات میں سے ایک ہے' کبھی انسان اسے اتنا تنگ کر لیتا ہے کہ سانس لینے کو بھی جگہ نہ بچے' کبھی اتنا وسیع کہ ایک دنیا اس میں سما جائے تو امیر عثمان نے بھی اپنے اردگرد کے ماحول سے اپنے لیے کچھ نظریات اور اصول قائم کر لیے تھے جن کے تحت اتنی زندگی گزاری تھی۔ انہوں نے اولاد کو اپنے کنٹرول میں رکھا تھا۔ اتنی آزادی نہیں دی تھی کہ وہ آپے سے اور جامے سے باہر ہو جائیں' وہ خوش نصیب تھے کہ اولاد کے ساتھ صرف رعب کا رشتہ نہیں تھا بلکہ محبت کا بھی تھا' مگر اب وہ کچھ سوچنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ دماغ کے تاریک دریچوں میں جیسے

www.urdupalace.com

روشنی کے روزن کھل رہے تھے۔

کبھی بہت پہلے باتوں باتوں میں حاجی صاحب کی کہی گئی بات یاد کیا آئی ذہن کی دیواروں سے یوں چپک گئی کہ ہٹنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

"ارے صاحب' ہمارا تو ماننا ہے کہ لڑکی رکے تو آپ سے' نہ رکے تو باپ سے' عزت کی پاس داری اور شرم و حیا کے بیج تو اولاد کے دل کے اندر بوئے جاتے ہیں' یہ پودا۔ باہر کی پابندیوں میں پروان نہیں چڑھتا۔"

"اور جس پرندے کے پروں میں آسمان کی وسعتوں میں پرواز کی بے پناہ صلاحیت ہو' اسے محدود فضا تک مخصوص کر کے رکھنا زیادتی نہیں تو اور کیا ہے۔"

امیر عثمان نے خوب سوچ سمجھ کر اپنی زندگی کا ایک اہم فیصلہ کر لیا۔ جس نے سنا' دنگ رہ گیا۔ سب سے پہلے تو بیوی بچے ہی دنگ رہ گئے۔

"صفا کو یونیورسٹی بھیج رہے ہیں پڑھنے کے لیے۔" حیران پریشان بیوی نے تصدیق چاہی تھی۔

"ہاں!" ان کے مختصر جواب سے بیوی کی تسلی تو نہیں ہوئی' ہاں مگر خوشی ضرور ہوئی۔

"یا اللہ معجزے یوں بھی ہوتے ہیں؟" صفا حیرتوں کے جہان میں تھی۔

ایڈمیشن کے سارے مراحل طے ہو گئے' اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا وہ تو جیسے خواب کے عالم میں تھی۔

جس صبح اسے یونی ورسٹی جانا تھا۔ رات میں امیر عثمان نے اسے اپنے پاس بٹھا کر دو چار باتیں کی تھیں' ان میں سے خاص طور پر کہی گئی ایک بات صفا کے دل پر نقش ہو گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

یونی ورسٹی کیا تھی کوئی جادو نگری سی تھی۔ اپنی محدود دنیا سے نکل کر اس نے اس جادو نگری میں قدم رکھا تو کھل جا سم سم والا معاملہ ہو گیا تھا۔ آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ کچھ دن بعد جب ذرا اوسان بحال ہوئے تو وہ ادھر ادھر دیکھے بغیر اپنی پڑھائی میں مشغول ہو گئی۔ ناک کی سیدھ میں چلتے چلتے فیض اس سے ٹکرایا۔

"ویلکم ٹو یونی!" اس نے ذرا دلچسپی سے اپنی اس کزن کو دیکھا جو پہلے کے مقابلے میں خاصی پر اعتماد نظر آ رہی تھی۔

"ایک مہینے کے بعد خیال آیا ہے ویلکم کا؟" پتا نہیں کیوں ایک شکوہ سا صفا کے منہ سے پھسل پڑا۔

"ارے' لوگ شکوے شکایات پر اتر آئے' یعنی کہ ہمیں اپنا سمجھنے لگے؟" بلو جینز کے ساتھ شوخ رنگ کی ٹی شرٹ میں وہ زیادہ ہی شوخ ہو رہا تھا۔

"جن کے نام پر تمہارا نام رکھا گیا ہے ان کا کچھ تو لحاظ کر لو' وہ تو بہت کم گو تھے اور تم بالکل الٹ۔" صفا کو اس کی یہ بے باکی کچھ بھائی نہیں۔ ابھی اگر کوئی اس کی کلاس فیلو ساتھ ہوتی تو فیضی کے یہ ڈائیلاگ سن کر کیا سوچتی۔

"میں تو زیادہ تر چپ ہی رہتا ہوں۔ یہ اور بات کہ لوگوں کو میری خاموشی بھی گفتگو لگتی ہے۔"

"یہاں آ کر تو تمہاری زبان میں اور بھی دھار لگ گئی ہے۔"

"فکر نہ کرو' چند دنوں کی بات ہے پھر تمہاری زبان مجھ سے زیادہ تیز دھار ہو جائے گی۔"

صفا ایک گہری سانس لے کر آگے بڑھ گئی۔ اس چرب زبان اور بلا کے باتونی سے باتوں میں جیتنا محال تھا۔

"اور ویسے بھی تمہیں کسی بھی معاملے میں جیت ہار سے کیا' چپ چاپ اپنی پڑھائی میں دل لگاؤ۔" دماغ نے چپکے سے مشورہ دیا۔

☆ ☆ ☆

پریا کی شادی سر پر تھی' عافیہ سکندر گھن چکر بنی ہوئی تھیں۔ نوکری' گھر' بازاروں کے چکر سب سے بڑھ کر اخراجات کی فکر اور بندوبست۔ اس دن بھی بازار سے واپسی پر رات ہی ہو گئی تھی' واپس آئیں تو بستر پر ڈھے سی گئیں۔

www.urdupalace.com

"ایسا لگ رہا ہے ہاتھ پیروں میں دم ہی نہیں رہا' اتنی ہمت بھی نہیں ہو رہی کہ فریج سے سکنجبین نکال کر پی لوں' سونیا بے چاری بنا کر رکھ گئی تھی' مجھے میسج کر دیا تھا۔" وہ نقاہت سے بولتی ہوئی اٹھنے کی کوشش کرنے لگیں۔

سمیرا نے انہیں اشارے سے روکا اور خود اٹھ کر گئیں' واپس آئیں تو ان کے ہاتھ میں ٹرے تھی' جس میں سکنجبین کا جگ اور دو گلاس تھے۔ انہوں نے ایک گلاس بھر کر عافیہ کی طرف بڑھایا اور دوسرا اپنے لیے بھرا پھر اطمینان سے عافیہ کے پاس بیٹھ گئیں۔

"میں تمہیں دیکھ کر حیران ہوں عافیہ! میں تقریباً" اٹھارہ سال بعد پاکستان آئی ہوں۔ میرا خیال تھا کہ ہماری پاکستانی عورت شاید کچھ بدل گئی ہو مگر تمہیں دیکھ کر تو یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی تبدیلی تو دور کی بات الٹا میں 1950ء کی عورت سے مل رہی ہوں' تم پڑھی لکھی خود مختار ہو' پھر کیوں خود کو چکی کے دو پاٹوں میں یوں پیس رہی ہو' محنت کر کے کماتی ہو اور پھر اسے نکمی اولاد اور نکمے شوہر پر لٹا رہی ہو۔ تم نے اپنے شوہر پر گھر اور بچوں کی ذمہ داریاں کیوں نہیں ڈالیں بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ انہیں اپنی ذمہ داریاں خود اٹھانے دو۔ کیوں سب کے لیے ہلکان ہوتی رہتی ہو تمہیں ضرور برا لگے گا مگر یہ محبت نہیں حماقت ہے۔" سمیرا صاف گوئی سے بولتے ہوئے اب اپنا مشروب ختم کر رہی تھیں۔

عافیہ کے چہرے پہ تاریکی چھا گئی۔ اپنا آپ بڑا ہی بے وقعت اور بے مول لگ رہا تھا۔ آنے والی مہمان نے سات دنوں میں ہی بائیس سال کی کہانی جان لی تھی اور اس پر تبصرہ بھی کر ڈالا۔

"اتنے سے دنوں میں اتنا کچھ معلوم ہو گیا تمہیں؟" عافیہ نے کرب سے آنکھیں میچ لیں۔

"تمہارا وہ نالائق شوہر جسے پچھلے ایک ہفتے سے میں گھر میں دیکھ اور سن رہی ہوں' اسی سے پتا چلا ہے یہ سب' گو کہ اس نے اس انداز سے تو یہ سب نہیں بتایا مگر اصل کہانی سمجھنے کے لیے کسی راکٹ سائنس کی ضرورت نہیں تھی مجھے۔ حیرت ہے تم نے اس شخص کے ساتھ اتنے سال کیسے گزار دیے۔ میری جیسی کوئی ہوتی تو کب کی لات مار کر باہر نکال چکی ہوتی۔" سمیرا نے تکلیف دہ حد تک صاف گوئی کا مظاہرہ کیا۔

"لات مار کر باہر نکلنا اتنا آسان نہیں ہوتا۔ تمہاری تو لو میرج تھی' اگر تمہارا شوہر ایسا نکلتا تو کیا تم اسے لات مار کر باہر کر دیتیں؟" عافیہ نے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال کیا۔ تھوڑی بہت صاف گوئی تو ان کا بھی حق تھی۔

سمیرا نے چند لمحے ان کی طرف دیکھا اور گلاس ٹرے میں رکھ کر گویا ہوئیں۔ "ہماری لو میرج تھی۔ اپنی اپنی جگہ ہم نے ایک دوسرے کے لیے بہت فائٹ کی تھی۔ چوبیس سال پہلے جب ہم کینیڈا گئے تو بہت خوش تھے۔ پانچ سال تک ہیپی میرڈ لائف گزاری تھی ہم نے' ہم دونوں میاں بیوی اور ہمارا بیٹا' پرفیکٹ لائف تھی۔ پھر آہستہ آہستہ سب کچھ بدلنا شروع ہو گیا۔ عزیر کو نوکریاں چھوڑ چھوڑ کر گھر بیٹھنے کا چسکا پڑ گیا تھا۔ ایک دو سال تو یونہی گزر گئے۔ میں بھی جاب کرتی تھی سو اخراجات پوری کرتی رہی۔

پھر کچھ اور وقت گزرا اور مجھ پہ انکشاف ہوا کہ آئے دن جاب چھوڑ کر کئی کئی ہفتوں کے لیے گھر پڑ جانا' عذیر کی مجبوری نہیں بلکہ عادت بن گئی ہے۔ بحث' تکرار پھر لڑائی جھگڑے' شادی کی دسویں سالگرہ سے دو ہفتے پہلے ہماری ڈائیورس ہو گئی۔ اس نے کسی انڈین سے شادی کر لی تھی۔ پانچ سال پہلے اس کی ڈیتھ ہو گئی۔" سمیرا چپ ہو گئیں۔ کمرے میں ایک تکلیف دہ خاموشی کی دبیز دھند سی پھیل گئی۔

سمیرا نے ایک گہری سانس لی اور پھر سے بولنے لگی۔

"ایک عورت کے لیے اس طرح کا فیصلہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔ عورت تنکا تنکا جوڑ کے گھر بناتی ہے۔ اسے توڑنے کے فیصلے میں خود بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے اور پھر ہماری مذہبی اور معاشرتی روایات میں

www.urdupalace.com

بھی اسے ناپسندیدہ سمجھا جاتا ہے مگر میرے پاس اور کوئی آپشن نہیں تھا۔ مجھ میں اتنا اسٹیمنا نہیں تھا کہ میں اپنے نکمے شوہر کو بھی پالوں اور اس کے بچوں کو بھی، میں نے سوچا کہ ساتھ رہ کر رونے سے بہتر ہے کہ الگ رہ کر رولوں۔"

سمیرا کی آواز بھیگنے لگی تھی۔ عافیہ کی آنکھیں بھی گیلی ہونے لگیں۔ بظاہر خوش باش ہنستی بولتی سمیرا نے اپنے اندر کتنا بڑا طوفان سمویا ہوا تھا۔

"تمہیں دیکھ دیکھ کر مجھے تم پر بہت ترس آرہا ہے عافیہ، تمہاری بے بسی پر، بے چارگی پر، تمہاری کبھی نہ ختم ہونے والی تھکن پر۔"

عافیہ کی آنکھیں بھیگنے لگیں، دل میں اندر ہی اندر بہت پرانی اور شدید خواہش تھی کہ اس طرح کی بات سکندر کہتا، وہ محبت کا اظہار بہت کرتا تھا، ہمیشہ کرتا تھا مگر اس نے کبھی اس طرح کی بات نہیں کی کہ اس کی قربانیوں کو سراہا ہو یا اس کی کبھی دل جوئی کی ہو۔ وہ تو جیسے عافیہ کی محنت اور جدوجہد کو اس کا فرض اور اپنا حق سمجھتا تھا۔

"کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے جیسے بعض دفعہ ہم عورتوں کی محبتیں ہمارا جرم بن جاتی ہیں۔"

سمیرا کے لہجے میں صدیوں کی اداسی تھی اور عافیہ کے لبوں پہ صدیوں کی چپ۔ بلب کی تیز روشنی آنکھوں میں چبھ رہی تھی۔ عافیہ نے سیور بند کر کے نائٹ بلب جلادیا۔

"کیا کر رہی ہو یار، میگزین پڑھ رہا ہوں، نظر نہیں آرہا تھا کیا؟" سکندر بیگم کی اس حرکت پر بھنا گئے۔

"ایک گھنٹہ ہو گیا۔ آپ سے بات کرنے کے لیے بیٹھی ہوں، آپ کو اس میگزین سے ہی فرصت نہیں مل رہی، اسے ذرا ایک طرف رکھ دیں۔" عافیہ کو زندگی میں پہلی بار سکندر پہ اب ذرا ذرا غصہ آنے لگا تھا۔ بیٹی کی شادی سر پر تھی اور باپ کی لاپروائی اور بے نیازی عروج پر تھی۔

"کیا ضروری بات کرنی ہے؟" میگزین ایک طرف کر کے وہ سیدھے ہو گئے۔

"بختیار بھائی کے پاس جو کمیٹی ڈالی تھی میں نے، آپ کو کہا تھا شادی پر دے دیں گے تو ان سے بات کریں، اس میں کچھ اور رقم ملا کر فرنیچر کا بندوبست ہو جائے گا۔"

"فرنیچر کے لیے رقم نہیں ہے کیا؟" سکندر نے جواب دینے کے بجائے الٹا سوال کیا۔

"ہوتی تو آپ سے کمیٹی کا کیوں پوچھتی؟"

"میں تو سمجھا تم نے سارا انتظام کر لیا ہے۔" سکندر یوں جواب طلبی کر رہے تھے جیسے انہوں نے شادی کے اخراجات کے لیے بھاری رقم بیوی کو دی ہو۔

"میں اکیلی کیا کیا کروں۔ شادی کے انتظامات کرنا کیا آسان ہیں، مہنگائی ہے کہ آسمان کو چھو کر اس سے بھی آگے نکل گئی ہے۔ یہاں خرچے ہی پورے ہونے میں نہیں آرہے۔ ایک کے بعد ایک نیا خرچا نکلا چلا جارہا ہے۔" عافیہ جھنجلائی ہوئی تھیں۔

سکندر چپ چاپ بیوی کی شکل دیکھتے رہے۔

عافیہ کو اس خاموشی سے الجھن ہونے لگی۔ اضطراب کے عالم میں پہلو بدل کر انہوں نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ سکندر اچانک بول اٹھے۔

"وہ دراصل بات یہ ہے کہ بختیار نے کمیٹی بنائی ضرور تھی مگر لوگ پیسے بھرنے میں ہر مہینے تنگ کر رہے تھے۔ اس نے توڑ دی تھی کمیٹی۔" سکندر نے بم ضرور پھوڑا تھا مگر بے حد ہموار اور پرسکون لہجے میں۔

"کب توڑی تھی کمیٹی؟ آپ نے بتایا کیوں نہیں مجھے؟ میں تو ہر مہینے رقم دے رہی تھی آپ کو۔" عافیہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اس شخص کو دیکھ رہی تھیں، جو ان کا شوہر تھا، لاپروائی اور بے نیازی کی انتہا وہ اکثر کرتا رہتا تھا مگر آج تو بے حسی کی انتہا کر دی تھی۔

"میں نے سوچا تمہیں کیا فرق پڑتا ہے اتنی معمولی سی رقم سے۔ ہر مہینے جو پیسے تم دیتی تھیں، وہ میں کون سا اپنی عیاشی میں اڑاتا تھا۔ تمہارے گھر اور بچوں پر ہی خرچ کر دیتا تھا۔"

"ڈھائی سال سے ہر مہینے دو ہزار روپے بھر رہی تھی،

www.urdupalace.com

کمیٹی کے آسرے میں کہ وقت اور ضرورت پر ہمارا کام ہو جائے گا۔ یہی رقم اپنے پاس جمع کرتی تو ساٹھ ہزار ویسے ہی جمع ہو جاتے۔ کچھ تو آسرا ہو جاتا۔ اب کیا کروں میں کہاں سے انتظام کروں" آپ نے تو مجھے کہیں کا نہیں چھوڑا سکندر!" الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر عافیہ کے منہ سے نکل رہے تھے۔

"تم تو ایسے ری ایکٹ کر رہی ہو جیسے میں نے خدانخواستہ پتا نہیں کیا کر دیا ہے تمہارے ساتھ۔" شوہر نامدار کا لہجہ کڑوا ہو گیا۔

"ہماری بیٹی کی شادی ہے سکندر، تین چار دن بعد فرنیچر سمیت سارا جہیز اس کی سسرال پہنچانا ہے۔ میں نے سوچا تھا۔ ایک لاکھ کی کمیٹی ملے گی اس میں اور رقم ملا کر فرنیچر کا انتظام ہو جائے گا۔ اب مجھے بتائیں میں کیا کروں؟ آپ کو احساس نہیں ہے کہ میں کس سچویشن میں ہوں پہلے ہی بتا دیتے تو۔۔۔"

صدمے اور غم و غصے کی شدت سے عافیہ کی آواز بند ہو گئی۔ خود پہ قابو پانے کی کوشش کی مگر ناکام، آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گود میں دھرے ہاتھوں پر گر رہے تھے۔

"میں نے آپ سے تین چار بار پوچھا کہ کمیٹی وقت پر مل جائے گی" آپ نے ہمیشہ جھوٹی تسلی دی۔ مجھے صحیح بات بتا دیتے۔ کیوں آسرے میں رکھا؟" عافیہ سکندر کو ڈھنگ سے غصہ کرنا بھی نہ آیا۔ ابھی بھی ان کی باتوں میں شکوے کا رنگ نمایاں تھا۔

"تم نے کبھی ابا جی کے سامنے پوچھا، کبھی بچوں کے سامنے ان لوگوں کے سامنے میں کیا کہتا۔ سوچا تھا کہ کسی دن آرام سے تسلی سے اکیلے میں بیٹھ کر تمہیں سچویشن سمجھا دوں گا۔"

"کسی دن؟ کون سے دن؟ شادی کے بعد بتاتے مجھے؟ اف خدایا، میں کیا کروں، کہاں جاؤں۔" وہ دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھی تھیں۔

"اچھا اب اتنی پریشان مت ہو، اللہ پہ بھروسا رکھو، کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا۔" سکندر نے ان کے دونوں شانوں پر ہاتھ رکھتے ہوئے پینترا بدلا۔

"اللہ پہ تو میں ہمیشہ ہی بھروسا کرتی ہوں سکندر، مگر کاش میں نے آپ پر بھروسا نہ کیا ہوتا۔" شوہر کے دونوں ہاتھ اپنے کاندھوں پر سے ہٹاتے ہوئے وہ پھر بلک بلک کر رو دیں۔

ابا جی کو بتائے بغیر کوئی چارہ نہیں تھا اور پھر وہ آخر کب تک اپنے شوہر کی کمزوریوں غلطیوں اور خامیوں پر پردے ڈالتی رہتیں اور کیوں؟ ابا جی کو اعتماد میں لینا ہی پڑا اور وہ تو ایسے جلال میں آئے کہ بس۔۔۔

"یہ تو ہے ہی کمینہ، بدذات کہیں کا، تم نے اس پر بھروسا کیا کیوں؟ اور تم نے کہا نہیں کہ کہیں سے بھی رقم کا بندوبست کر کے دے۔ بے شرم کہیں کا، بیٹی کی شادی پر تو ایرے غیرے بھی مدد کو آجاتے ہیں۔ اس بے غیرت کو اپنے ہی گھر میں نقب لگاتے شرم نہ آئی۔" مارے غصے کے ابا جی کا برا حال تھا۔

"ابا جی! آپ پلیز اتنا غصہ نہ کریں، بی پی ہائی ہو جائے گا آپ کا؟" عافیہ گھبرا گئیں۔ وہ ہائی بلڈ پریشر کے مریض تھے۔

"ہونے دو بلڈ پریشر کو ہائی فائی، اچھا ہے دنیا سے رخصت ہو جاؤں ایسی ناہنجار اولاد کا منہ دیکھنے سے بہتر ہے کہ میں قبر کا منہ دیکھ لوں۔" وہ ہانپنے لگے۔

"بتاؤ ذرا، ایسا بے حس، بے ضمیر باپ میں نے کہیں نہیں دیکھا؟"

"ابا جی پلیز کول ڈاؤن، میں گلٹی فیل کر رہی ہوں کہ آپ کو کیوں بتایا۔" عافیہ نے انہیں سنبھالنے کی کوشش کی۔

"بیٹی! یہ چھوٹی اور معمولی بات نہیں ہے۔ بڑا تکلیف دہ معاملہ ہے میرا تو دل چاہ رہا ہے کہ اسے اپنے گھر اور زندگی دونوں سے عاق کر دوں۔"

"اب کیا ہو گا؟" کچھ دیر بعد جب وہ بیٹے کو اچھی طرح برا بھلا کہہ چکے تو انہیں خیال آیا۔

"اللہ مالک ہے۔" ایک پھیکی سی تسلی ان کے لبوں پہ آئی۔

☆ ☆ ☆

سگی بہن کا گھر تھا مگر انہیں یہاں آئے ہوئے اور

www.urdupalace.com

بہن سے ملے ہوئے عرصہ گزر جاتا تھا۔ ان کی مجبوری تھی' ملازمت اور گھر' دونوں کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں تھا۔ بہن کی اپنی مجبوریاں تھیں۔ گھر گرہستی کی ذمہ داریاں تو الگ تھیں۔ شوہر کہیں آنا جانا پسند نہیں فرماتے تھے' چاہے وہ میکے یا سگے بہن بھائیوں کے گھر ہی کیوں نہ ہوں۔ لہٰذا سگی بہنوں کی ملاقات بھی مہینوں میں ہی ہوا کرتی تھی' ہاں فون کے ذریعے رابطہ ضرور رکھ لیتی تھیں۔

بڑی بہن کی بات سن کر' وہ چند لمحے گہری سوچ میں پڑ گئیں۔ بڑی بہن تھیں' وضع دار اور خود دار۔ آج تک کبھی ایک روپے کا ادھار بھی نہیں مانگا تھا مگر اب وہ جانتی تھیں کہ بیٹی کی شادی کا موقع ہے' رقم کی ضرورت کوئی عجب بات نہ تھی۔

"باجی! آپ تو جانتی ہیں کہ میرے پاس اتنی بڑی رقم نہیں ہوتی مگر میں ان سے بات کرتی ہوں' وہ ضرور انتظام کردیں گے۔" عالیہ نے انہیں تسلی کے پھول تھمائے۔ مگر عافیہ بے حد مضطرب اور پریشان تھیں۔

تمہیں یقین ہے کہ امیر عثمان یہ کام کردیں گے؟"

"ہاں ہاں' بالکل۔ آپ پریشان مت ہوں۔ ان شاءاللہ آپ کا کام ہوجائے گا۔"

امیر عثمان رات میں کھانا کھانے کے بعد چہل قدمی کر کے واپس آئے تو تھوڑی دیر خبریں دیکھیں پھر سونے کے لیے لیٹ گئے۔

"آپ سے ایک بات کرنی تھی۔" بیوی نے ذرا ہمت سے کام لے کر انہیں مخاطب کیا۔

"خیریت؟" وہ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

"خیریت ہی ہے' وہ عافیہ باجی آئی تھیں آج۔ شادی کا کارڈ دے گئی ہیں۔" بیوی نے بات کا آغاز کیا۔

"اچھا' روک لیتیں۔ کھانا وانا کھلا کر بھیجتیں رات کا' میں بھی آجاتا تب تک' ملاقات ہوجاتی۔" امیر عثمان ایک مخصوص سخت مزاج کے مالک ضرور تھے مگر گھر آئے مہمان کی تعظیم و تکریم میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے۔ پھر ان کی یہ بے ضرر سی سالی صاحبہ تو ایک عرصے بعد گھر آئی تھیں۔

"میں نے روکا تھا مگر رکی نہیں اور بھی جگہوں پر جانا تھا کارڈ دینے' اس لیے۔" وہ ایک لمحے کو جھجکیں۔

"ہوں!" انہوں نے بیوی کا چہرہ دیکھا۔ "اور کوئی خاص بات؟"

"کچھ رقم ادھار چاہیے تھی انہیں' چھ ماہ کے بعد واپس کردیں گی۔"

"کتنی رقم؟"

"پچاس۔"

"ٹھیک ہے' میں بندوبست کردوں گا۔ کل دکان تھوڑی جلدی بند کر کے آجاؤں گا' پھر چلیں گے ان کے گھر' جو تمہیں دینا ہے شادی پہ' وہ بھی کل ہی دے آنا' اپنی مرضی اور پسند سے کچھ خرید لیں گی۔" اس سے پہلے کہ بیوی حیران ہوتیں انہوں نے وہاں جانے کی وضاحت کردی۔ پچھلے ہفتے ہی انہوں نے پریا کے لیے دس ہزار روپے بیوی کو دیے تھے۔

"بچوں سے پوچھ لینا' جو چاہے وہ تیار ہوجائے۔"

ان کی سخاوت اور فیاضی آج اپنے عروج پر تھی۔

☆ ☆ ☆

"ڈیئر سونیا' آج سورج کہاں سے نکلا تھا۔" فیضی کچن میں کھڑی سونیا سے پوچھ رہا تھا۔ مگر مقصود اسے سنانا تھا جو مہمان بن کر آئی تھی اور اس وقت سونیا کے ساتھ کھڑی تھی۔

"مشرق سے ہی نکلا ہوگا۔ دوسری سمت سے نکلتا تو قیامت کے آثار ہوتے۔" سونیا اس کی چھیڑ چھاڑ بخوبی سمجھتی تھی' مسکراہٹ دبا کر جواب دینے لگی۔

"آثار تو قیامت کے ہی ہیں۔ ایسے بھولے بھٹکے لوگ آئے ہیں۔ مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا۔ ایسا لگ رہا ہے خواب دیکھ رہا ہوں۔ سونیا یار' ذرا چٹکی تو کاٹنا مجھے؟"

"یہ بیلن کافی رہے گا یقین دلانے کے لیے۔" صفا کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوگیا۔

"ارے' یہ تو واقعی آپ ہیں۔ رہنے دیں۔ مجھے یقین آگیا۔" فیضی نے ڈرنے کی ایکٹنگ کی۔

www.urdupalace.com

امی اندر مہمانوں کے ساتھ بیٹھی تھیں۔ شعیب اپنی ممی کے ساتھ شاپنگ پر نکلا ہوا تھا۔ سونیا کچن میں مہمانوں کی خاطر تواضع کا بندوبست کر رہی تھی کہ فیضی نے آکر پٹاخے چھوڑنے شروع کر دیے۔

وہ گیا تو صفا نے سکون کی سانس لی اور سونیا سے باتیں کرنے لگی۔ دونوں کا موضوع بس اپنی پڑھائی، کالج اور یونیورسٹی کی باتیں۔ عافیہ بیگم کی آنکھوں میں تشکر اور طمانیت کے آنسو تھے۔ ان کا مسئلہ حل ہو گیا تھا جس نے ان کی راتوں کی نیندیں اڑا دی تھیں۔

شادی تو سکون اور خیریت کے ساتھ ہو گئی مگر ان کے سسر نے حتمی فیصلہ کر لیا تھا اپنے بیٹے کا دماغ ٹھکانے لگانے کا۔ شادی کے بعد کا ایک ہفتہ انہوں نے بڑی مشکل سے گزارا پھر بیٹے کو بٹھا کر بات کی تو حسب توقع وہ ہکا بکا رہ گئے۔

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں ابا جی؟" سکندر کا چہرہ دیکھنے لائق تھا۔

"وہی کہہ رہا ہوں جو تم نے سنا ہے۔ تمہاری بیوی کی صحت اب اس قابل نہیں ہے کہ وہ دہری ذمہ داریاں اٹھائے یا تو وہ نوکری کر سکتی ہے یا گھرداری' میں نے کہا ہے کہ نوکری چھوڑ کر گھر سنبھالے۔ زندگی گزر گئی غریب کی' اب تو تھوڑا بہت سکون اور آرام دے دو بے چاری کو۔ میں خود کو نالائق اور خود غرض باپ سمجھتا ہوں کہ تمہارے سدھرنے کا انتظار کرتا رہا مگر بس' اب انتہا ہو گئی ہے' اگر تمہیں اس گھر میں رہنا ہے تو ذمہ داری اٹھاؤ اس گھر کی اور گھر والوں کی' ورنہ جہاں دل چاہے جاؤ' میں مزید تمہیں اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتا۔" غصے کے مارے ان کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آواز کانپ رہی تھی۔

"آپ بے کار میں غصہ کر رہے ہیں ابا جی' جتنا ہو سکتا ہے اتنا تو میں کام کرتا ہی ہوں' بالکل ہی فارغ تو نہیں رہتا ہر وقت' اب میری مرضی کا آرڈر آجائے' آپ دیکھیں دن رات ایک کر دوں گا۔" باپ کے جلال سے خائف ہو کر وہ اپنی چرب زبانی کا مظاہرہ کرنے لگے تھے۔ مگر ان پر کچھ اثر نہ ہوا۔

"اگلے ہفتے ابرار دکان خالی کر رہا ہے اپنی۔ اس کا ویزا آگیا ہے دبئی کا۔ میں نے بات کر لی ہے اس سے' تم اپنا کام شروع کر دینا اگلے مہینے سے' اچھی خاصی بڑی دکان ہے۔ صاف ستھری ہے۔ چار' چھ مشینیں آرام سے آجائیں گی' مرضی ہے تمہاری اکیلے کام کرو یا اور کاریگر رکھ لو۔"

"اس علاقے میں دکان کیا چلے گی۔ میری بھی کوئی کلاس ہے۔ بڑے بڑے بوتیکس کے کپڑے سیے ہیں میں نے' یہاں چھ سو اور آٹھ سو کی سلائی پر کام کروں؟ ذرا سی سپورٹ مل جائے تو طارق روڈ پر اپنا بوتیک کھول لوں۔"

"یہاں کام کرو چھ سو' آٹھ سو کی سلائی کر کے پیسے جمع کر لو پھر کھول لینا بوتیک' جہاں دل چاہے۔ نہ تمہارے باپ کے پاس اتنا پیسہ ہے نہ تمہاری بیوی کے پاس' جو تمہیں سیٹھ صاحب بنا کر کہیں بٹھا دیں' جو کرنا ہے' خود کرو۔ پرسوں جمعہ ہے ایڈوانس کے دس ہزار ابرار کو دے دینا۔ بے چارہ بھلا مانس ہے۔ مروت سے کام لے رہا ہے ورنہ لوگ پچیس ہزار ایڈوانس دے کر بھی دکان لینے کو تیار ہیں۔" ابا بات ختم کر کے اٹھ گئے۔

☆ ☆ ☆

امتحانات قریب تھے۔ کوچنگ میں ایکسٹرا کلاسز ہو رہی تھیں۔ آج کل روزانہ ہی وہ تھکن سے چور گھر آ رہی تھی۔ آج بھی آتے ہی بیگ رکھ کر وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ فریش ہو کر آئی تو چائے تیار ملی۔

"اللہ اللہ' اچھی چائے بھی کیسی نعمت ہے۔" پہلا گھونٹ بھرتے ہی اس کی تھکن جیسے زائل ہونے لگی تھی۔ کپ رکھنے کچن میں گئی تو امی گوشت کے پیکٹ نکال کر بھگو رہی تھیں۔

"کیا پکا رہی ہیں؟" کپ کھنگالتے ہوئے سونیا نے سوال کیا۔

"مٹن بریانی پکاؤں گی۔ پریا کا فون آیا تھا۔ آج دونوں یہیں ڈنر کریں گے۔"

www.urdupalace.com

"میں پکا لیتی ہوں آج بریانی۔" سونیا نے پیشکش کی۔

"رہنے دو، تم تھکی ہوئی آئی ہو۔ رات میں اپنی تیاری بھی کرو گی۔"

"آپ بھی تو تھکی ہوئی ہوتی تھیں، بچوں کے ساتھ اتنے سارے کام مینیج کرتی تھیں۔"

"تم شادی شدہ ہو نہ بال بچوں والی، ابھی اپنے گھر میں ہو۔ لائف انجوائے کرو۔ بے کار کی مشقت میں کیوں خود کو تھکاتی ہو۔" امی نے رسان سے اسے جواب دیا۔

"شادی کیا ذمہ داریوں کے انبار کا دوسرا نام ہے؟" عافیہ سکندر بیٹی کے اس سوال پر ساکت رہ گئیں، مگر خود کو سنبھالتے ہوئے جبراً مسکرائیں۔

"ہاں کسی حد تک، مگر ہر کسی کے لیے نہیں، سب کے حالات اور تجربات الگ الگ ہوتے ہیں۔" وہ بولتے ہوئے باہر لاؤنج میں آ گئیں۔

گھر میں ان دونوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔ سنعیہ سو رہی تھی۔ فیضی اپنی اکیڈمی گیا ہوا تھا اور ابا اپنے بیٹے کے ساتھ دکان پر تھے۔

"مگر ہمارے معاشرے میں تو سب کے حالات و تجربات تقریباً ایک جیسے ہی ہوتے ہیں یا تو برے یا بہت برے، کوئی کوئی ہو گا جو اپنے حالات سے خوش ہو گا۔" سونیا پیاز کاٹتے ہوئے یاسیت سے بولی۔

"اب ایسا بھی اندھیر نہیں مچا ہوا، مسئلے مسائل تو دنیا بھر میں سب کے ساتھ ہیں۔ تم اتنا نیگیٹو کیوں سوچ رہی ہو۔"

"پتا نہیں، مجھے لگ رہا ہے آج کل میں کچھ زیادہ ہی سوچنے لگی ہوں۔" سونیا کا لہجہ الجھا ہوا تھا۔

"وہ بھی نیگیٹو۔" امی مسکرائیں۔

"شاید۔"

"بس سوچتی ہی رہو گی یا کوئی فیصلہ بھی کرو گی؟" امی کو اس سے پوچھنے کا موقع مل گیا۔

"کہتے ہیں کہ بیٹیاں عموماً اپنی ماں کی طرح ہوتی ہیں اور بیٹے باپ کی طرح۔"

"کوئی لازمی کلیہ بھی نہیں۔" امی نے سبھاؤ سے بولتے ہوئے اسے مثال دی۔ "تمہارے ابو اور دادا ایک دوسرے سے کتنے مختلف ہیں۔"

"فیض بھائی تو بالکل ابو پر ہی گئے ہیں۔" سونیا نے ایک گہری سانس لی اور پیاز کی پلیٹ لے کر اٹھ گئی۔

"مگر شعیب بالکل اپنے باپ کی طرح نہیں ہے، سمیرا نے مجھے بتایا تھا۔ ایک ماں سے زیادہ اس کی اولاد کو کوئی نہیں جانتا۔" امی تیزی سے اس کے پیچھے پیچھے کچن میں آئی تھیں۔

"میں یقین کرنا چاہتی ہوں مگر پتا نہیں کیوں کر نہیں پاتی۔"

"آجائے گا یقین، سچائی خود کو منوا لیتی ہے۔" امی کا لہجہ تسلی آمیز تھا۔

"تہ والی بریانی پکاؤں یا یخنی پلاؤ؟" سونیا نے موضوع بدلا۔

"پریا کو تو تہ والی بریانی پسند ہے، عاشر میاں بھی وہی شوق سے کھاتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے، یہی پکا لیتی ہوں میٹھے میں شاہی ٹکڑے بنا لوں؟"

"ہاں بنا لو، میں بھی ہیلپ کروں گی۔" امی نے آمادگی ظاہر کی۔

"نہیں، آپ رہنے دیں سنعیہ ابھی آجائے گی اٹھ کر۔ اسے لگا لوں گی اپنے ساتھ، آپ اپنے کمرے میں جائیں، آرام کریں۔" سونیا نے انہیں کچن سے نکالا۔

☆ ☆ ☆

کینٹین کے مخصوص شور شرابے اور بھانت بھانت کی آوازوں سے بے نیاز وہ چکن رول سے نبرد آزما تھی۔ ان کے گروپ کی عظمیٰ نے اپنی منگنی کی خوشی میں ٹریٹ دی تھی۔ ساری اشیائے خورد و نوش ٹیبل پر آ گئیں تو بحث چھڑ گئی۔ آدھے لوگ کینٹین سے باہر جا کر کھانے کے حق میں تھے اور آدھے یہیں بیٹھ کر کھانے پر اصرار کر رہے تھے۔ بے چاری میزبان جس نے ٹریٹ دی تھی، ثالثی کرنے کی کوشش کر رہی تھی

www.urdupalace.com

مگر اس کی سن کون رہا تھا۔

صفا بھوک سے بے تاب ہو رہی تھی۔ صبح برائے نام ہی ناشتہ کیا تھا۔ پوائنٹ نکل جانے کے ڈر سے آدھا ادھورا ناشتہ کر کے اسٹاپ کی طرف بھاگی تھی۔ اس نے اپنے پیٹ میں دوڑتے چوہوں کی صدا پہ ترس کھایا اور ایک چکن ویجی ٹیبل رول اٹھالیا۔

"جب تم لوگ ڈیسائیڈ کر لو کہ کہاں بیٹھ کر کھانا ہے تو مجھے بتا دینا۔" صفا نے یہ کہہ کر رول کے ساتھ انصاف کرنا شروع کر دیا تھا۔ ابھی پورا بھی نہ کھایا تھا کہ اس شور شرابے میں اپنے کان کے پاس اسے مانوس آواز سنائی دی، جو اس کا نام پکار رہی تھی۔

صفا نے حیران ہو کر سر اٹھایا اور دائیں طرف گھمایا۔ وہاں فیضی کھڑا تھا۔

"پانچ منٹ کے لیے باہر چلو گی، ایک ضروری کام ہے۔"

"خیریت؟" وہ رول کھانا بھول کر اسے دیکھنے لگی۔

"ہاں ہاں خیریت ہی ہے۔ اب ایسے آنکھیں تو مت پھاڑو۔ ضروری کام ہے تم سے۔" وہ دانت پیس کر آہستہ سے بولا۔ سب کی نظریں اسی پر تھیں۔

"اچھا۔" وہ متذبذب سی کھڑی ہو گئی۔

"میں ابھی آتی ہوں۔" وہ سب سے معذرت کرتی ہوئی باہر نکلنے لگی۔

"کینٹین سے ہی باہر جانا ہے نا؟"

"ظاہر ہے اب میرے کہنے پہ، میرے ساتھ تم پونی سے باہر تو جانے سے رہیں، اتنی نیک پروین تو ہو نہیں۔" وہ چلتے چلتے ایک جگہ رکا اور وہیں بیٹھ گیا۔ صفا نے بھی اس کی تقلید کی۔

"نیک پروین ہوں جب ہی تو۔۔۔" اس نے سنجیدگی سے بولتے ہوئے بات ادھوری چھوڑی۔

"اچھا نیک پروین صاحبہ، پہلے یہ بتاؤ تمہارے فون کو کیا ہوا، کب سے ٹرائی کر رہا ہوں، بند مل رہا ہے۔"

"ہاں، فون شاید خراب ہو رہا ہے۔ آئے دن بند ہو جاتا ہے خود بخود۔" صفا نے بیگ میں ہاتھ ڈال کر اسے ٹٹولا اور موبائل باہر نکال لیا۔

"ہاں دیکھو ذرا، بند پڑا ہوا ہے۔" وہ اتنی معصومیت سے بولی تھی کہ فیضی اسے دیکھتا کا دیکھتا رہ گیا۔

"ایک تو یہ بڑی مصیبت ہے، اتنی معصومیت کہ بندہ ٹھیک سے غصہ بھی نہیں کر سکتا۔" وہ بڑبڑایا۔

"کیا کہہ رہے ہیں آپ؟"

"کچھ نہیں۔" اس نے سر ہلاتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔

"پریا کی شادی پہ تم بہت پیاری لگ رہی تھیں۔" وہ اچانک ہی بولا۔

صفا ایک لمحے کو جھجکی پھر اس نے سنجیدگی سے اپنی نگاہیں اس پر جمائیں۔

"یہ بات آپ نے مجھے شادی کے دن بھی بتائی تھی، اب بھی کیا یہی کہنے کے لیے بلایا تھا؟"

"نہیں یار! مجھے کہنا کیا تھا اور کہہ کیا گیا، سوری میں یہ بتا رہا تھا کہ میں اپنے دوستوں کے ساتھ نارودن ایریاز کے ٹرپ پر جا رہا ہوں۔"

"اچھا، گڈ نیوز۔ کب واپس آئیں گے؟" صفا مسکرائی۔

"تقریباً تین ہفتے کا ٹور ہے۔"

"اوکے انجوائے یور لائف!"

"ہاں جی، فی الحال تو دوستوں کے ساتھ ہی لائف انجوائے کرنی پڑ رہی ہے۔" فیضی نے جیسے منہ بسورا تھا۔

"یہ دن بھی یاد آئیں گے کبھی۔"

"یس، یو آر رائٹ۔" اس نے فوراً ہی صفا سے اتفاق کیا۔ "یہ بتاؤ، تمہارے لیے کیا لاؤں؟"

"میرے لیے!" وہ حیران ہوئی پھر اک دم کھلکھلا اٹھی۔

"ہنسنا ضروری تھا۔" فیضی نے سنجیدگی سے دیکھا۔

"میں کوئی چھوٹی سی بچی ہوں؟"

"جی نہیں، اب تو آپ خاصی بڑی ہو چکی ہیں۔ اسی لیے پوچھ رہا ہوں جلدی سے بتاؤ۔"

"ایک منٹ سوچنے تو دیں۔" صفا نے آنکھیں بند کیں اور چند لمحوں بعد کھول کر بولی۔ "لکھیے میری

www.urdupalace.com

فرمائشی لسٹ۔"

"بولو!" فیضی نے اپنا موبائل آن کیا۔

"تھوڑی سی اسنوفالنگ، کچھ سہانا موسم، چند خوب صورت مناظر، جھیلوں، دریاؤں اور چشموں کا پانی، رنگ برنگے پھول، ہری بھری گھاس۔ کافی ہیں یا اور بتاؤں۔" وہ شرارت سے بولی تو فیضی کا حیرت سے کھلا منہ بند ہو گیا۔

"میں سیریس ہوں، تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔" فیضی کی آنکھوں میں خفگی در آئی۔ پتا ہے پچھلے ایک سال سے پیسے جمع کر رہا ہوں اس ٹرپ کے لیے، ٹھیک ٹھاک اماؤنٹ جمع ہو گیا ہے۔ تفریح بھی ہو جائے گی اور شاپنگ بھی۔ آئی تھنک کہ ان جگہوں پر ہینڈی کرافٹس اچھی ملتی ہیں۔ ان ہی میں سے کوئی چیز لے آؤں؟"

"ایسی چیزوں کی قیمتیں بھی اچھی ہوتی ہیں۔" صفا کو ایک دم ہی کسی الجھن نے گھیرا تھا مگر وہ اس نکتے پر خود کو مرکوز نہیں کر پا رہی تھی۔

"ڈونٹ وری۔ پیسے کس لیے جمع کیے ہیں ظاہر ہے خرچ کرنے کے لیے۔ اور ویسے بھی پیسے تم سے اور تمہاری خوشی سے بڑھ کر تھوڑی ہیں۔" اس نے حسبِ عادت ڈائیلاگ جھاڑا۔

"اس سے پہلے کہ میری سہیلیاں اعلانِ گمشدگی کا اشتہار چھپوا دیں، مجھے چلنا چاہیے۔" صفا اک دم ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"بتایا ہی نہیں تم نے، کیا لاؤں تمہارے لیے؟" فیضی بھی مایوس سا اٹھ کھڑا ہو گیا۔

"آپ خیریت سے واپس آجائیں، کافی ہے۔" صفا کینٹین کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"تمہارے لیے؟"

"سب کے لیے۔" وہ آگے بڑھ گئی۔

☆ ☆ ☆

دادا جان کی منتظر نگاہیں وال کلاک پر جمی ہوئی تھیں۔

"کب آئے گا یہ نالائق؟" انہوں نے بے چینی سے سنعیہ کی طرف دیکھا۔

"بس آنے ہی والے ہیں۔" سنعیہ شرارت سے مسکرائی۔ اتنے میں فیضی کی موٹر سائیکل کی آواز آئی۔

"لیجیے آگئے۔"

"کون آگئے؟" فیضی نے ہیلمٹ اتار کر رکھا۔

"تم اور کون، کب سے انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔" دادا نے جواب دیا۔

"خیریت!" وہ بالوں میں ہاتھ چلاتا ہوا صوفے پہ بیٹھ گیا۔ "سنعیہ یار! ایک گلاس پانی تو لاؤ۔"

"جی دادا حضور! فرمائیے۔" پانی پی کر وہ دادا جان کی طرف متوجہ ہوا۔

"فرمانا یہ ہے کہ بجلی کا بل بہت زیادہ آرہا ہے، تمہاری ماں افورڈ نہیں کر سکتی لہٰذا اس ماہ سے بل کی آدھی رقم تم دیا کرو گے۔" دادا جان نے بغیر کسی تمہید کے میزائل داغ دیا۔

"میں؟" اس نے حیرانی سے انگوٹھے سے اپنے سینے کی طرف اشارہ کیا۔

"جی ہاں آپ، آپ کو زیادہ گرمی ستاتی ہے اس لیے اے سی آپ کے کمرے میں لگا ہے، کمپیوٹر بھی سب سے زیادہ تم ہی استعمال کرتے ہو اور یہ وجوہات نہ بھی ہوں تب بھی اب تم اس قابل تو ہو کہ گھر کی کوئی ذمہ داری پوری نہ سہی، آدھی پونی اٹھا سکو۔"

"دادا۔ میں اپنے سمسٹر کی فیس خود بھر رہا ہوں۔" فیضی نے جتایا۔

"تین سال تک تمہارے ہر سمسٹر کی فیس تمہاری ماں نے بھری ہے بس یہ آخری سال کے دو سمسٹر کی فیس تم بھر رہے ہو۔ اسی لیے میں نے آدھا بل تمہارے ذمے لگایا ہے ورنہ پورا لگاتا۔"

"کیا ہو گیا ہے دادا امی پہلے بھی تو مینیج کرتی تھیں کرنے دیں انہیں میں کوئی اتنا تھوڑی کماتا ہوں، کیسے کروں گا؟"

"ماشاء اللہ جوان جہان ہو، تھوڑی اور زیادہ محنت کر لو گے تو گھس نہیں جاؤ گے۔" دادا نے ڈپٹ کر کہا۔

www.urdupalace.com

"اور رہی بات تمہاری ماں کی تو ساری عمر گزر گئی اس نے تم ہی لوگوں کے لیے اپنی ہڈیاں گھس لیں۔ اب اسے اپنے لیے بھی کچھ کرنے دو۔ وہ حج کرنا چاہتی ہے' پیسے جمع کرے گی' بغیر محرم کے جا نہیں سکتی تمہارے باپ کے ساتھ ہی جائے گی۔ کئی لاکھ روپے جمع کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ پھر لڑکیوں کا شادی بیاہ بھی ہے' اب اپنا یہ لاابالی پن چھوڑو اور انسان بنو اپنے باپ کی طرح۔" وہ غصے سے بول کر اپنی لاٹھی ٹھک ٹھک کرتے ہوئے وہاں سے چل دیے۔

"کیا ہو گیا ہے دادا کو' آج کل بڑی فارم میں ہیں۔" فیضی نے بے بسی سے بہن کو دیکھا۔

"دادا جان نے آج کل ضربِ عضب شروع کی ہوئی ہے گھر میں' سدھر جائیں ورنہ خیریت نہیں ہے آپ کی بھی۔" سنعیہ سنجیدہ تھی۔

"سارے احکامات میرے ہی لیے ہیں یا اوروں کے لیے بھی کچھ ہے۔" فیضی حد سے زیادہ چڑچڑا ہو رہا تھا۔

"جی ہاں میرے لیے بھی کچھ کام نکالے گئے ہیں گھر کے' جو مجھے لازمی کرنے ہیں۔" سنعیہ کا منہ لٹک گیا۔

"اچھا بھلا گھر چل رہا تھا' پتا نہیں کس نے مشورہ دیا ہے یہ انقلاب لانے کا۔" وہ بڑبڑایا۔

سامنے سے دادا چلے آ رہے تھے۔ اپنی ٹوپی سر پر جمائے وہ نماز پڑھنے جا رہے تھے۔ اس کی بڑبڑاہٹ سن کر ٹھہر گئے۔

"میاں صاحبزادے! انقلاب تو جب آئے گا جب تم دونوں باپ بیٹے پوری طرح سے اپنی ذمہ داریاں اٹھاؤ گے اور جہاں تک پہلے گھر چلنے کی بات ہے تو یہ میری کوتاہی ہے کہ میں سب کچھ دیکھتا رہا اور انتظار کرتا رہا کہ وقت کے ساتھ ساتھ سب خود بخود ٹھیک ہو جائے گا' مگر یہ میری غلط فہمی تھی' عملی طور پر ڈنڈا اٹھائے بغیر کوئی بگاڑ کبھی درست نہیں ہوتا' سنعیہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ میں نے بھی اپنے گھر میں ضربِ عضب کا آغاز کر دیا ہے۔ اتنے عرصے کا بگاڑ اک دم صحیح نہیں ہو گا مگر آہستہ آہستہ کر کے' کبھی نہ کبھی تو ٹھیک ہو ہی جائے گا چلو ٹوپی لے کر آؤ اندر سے' نماز پڑھنے چلو میرے ساتھ۔ جمعے کے جمعے مسجد میں شکل دکھاتے ہیں اپنی' اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے مرنے کے بعد۔" انہوں نے ڈپٹ کر فیضی سے کہا۔

"دادا تو بالکل ہی جنرل صاحب بن گئے ہیں۔" وہ تن فن کرتا اندر چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

الجھن تھی کہ بڑھتی چلی جا رہی تھی' بلکہ یہ الجھن بھی کہاں تھی' کشیدگی تھی۔ سرد مہری تھی۔ سکندر کو زندگی میں پہلی بار اپنی بیوی جسے وہ اپنی محبت کہا کرتے تھے' سے بہت زیادہ شکایتیں ہو گئی تھیں۔ ان کے خیال میں عافیہ نے ابا جی سے ان کی شکایتیں کی تھیں۔ عافیہ اپنی صفائیاں دے دے کر پہلے تو تھک گئی تھیں پھر بے زار ہونے لگیں' آپا ٹھیک کہتی تھیں۔ سکندر کی محبت بڑی آرام طلب ہے۔ اب جو ذرا مشقت آن پڑی تو مزاج برہم ہو گیا۔

ابا سے اپنی پریشانی کا ذکر کیا تو وہ مسکرا دیے۔

"زندگی میں پہلی بار پابندی اور تسلسل کے ساتھ کام کر رہا ہے' چڑچڑا تو ہو گا ہی۔ تم زیادہ پریشان مت ہو۔ آہستہ آہستہ خود ہی ٹھیک ہو جائے گا۔" انہوں نے بہو بیگم کو تسلی دی۔

"بہت بدگمان ہوتے جا رہے ہیں آپ کے بیٹے۔"

"ہونے دو' کہاں جائے گا بدگمان ہو کر؟ کچھ عرصے کی بات ہے' اپنے کام کے ساتھ سیٹ ہو جائے گا تو تمہارے ساتھ بھی ٹھیک ہو جائے گا۔ تم بھی ذرا رسی کھینچ کے رکھا کرو' بہت سر پہ چڑھا لیا۔ اپنے آپ کو بھی کچھ ریلیف دو۔ ہم پر سارے حقوق صرف دوسروں کے ہی نہیں ہوتے۔ ہم پر ہمارے اپنے آپ کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں' ان کی ادائیگی بھی ضروری ہے۔" ابا سنجیدہ ہو کر سمجھا بیٹھے اور وہ کوئی بچی تو نہیں تھیں۔ ساری باتیں معلوم تھیں' سمجھتی تھیں مگر.....

"چلو' اب زندگی کا رنگ یہ ہے تو یہی سہی' بگڑے

www.urdupalace.com

مزاج درست ہو بھی سکتے ہیں۔ شکوے ناراضیاں اور غلط فہمیاں دور ہو بھی سکتی ہیں اور یہ سب اب ہو ہی جائے بس تھوڑا انتظار۔

☆ ☆ ☆

تیزی سے نوٹس بناتے اس کے ہاتھ اب دکھنے لگے تھے۔ قلم کی روانی مدہم ہونے لگی۔ اس نے قلم ایک طرف رکھا اور کرسی کی پشت سے سر ٹکا کر کچھ دیر کے لیے آنکھیں بند کرلیں۔ دو دن پہلے کا منظر آنکھوں کے سامنے پھر گیا۔

"کیسا رہا سیر سپاٹا؟" تقریباً ایک ماہ بعد فیضی اس کے سامنے تھا۔ بلو جینز اور گرے شرٹ میں اس کا دراز قد نمایاں ہو رہا تھا۔ نئے ہیئر اسٹائل میں وہ بہت فریش لگ رہا تھا جواباً مسکرا دیا۔

"نیا ہیئر اسٹائل سوٹ کر رہا ہے آپ پر۔"

"ہے نا، میرے تمام دوست بھی یہی کہہ رہے تھے۔" وہ پرجوش ہوا۔

"اور؟ کیسے لگے پاکستان کے نظارے؟"

"یار، مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا، ہمارا ملک کتنا خوب صورت ہے اور نادرن ایریاز، اف کیا بتاؤں، حالانکہ پکچرز میں کئی بار دیکھا ہے مگر خود اپنی آنکھوں سے دیکھنا، بہت ڈفرنٹ اور خوب صورت ایکسپیرئنس تھا۔" فیضی شروع ہو گیا۔

"آپ ایک کام کیوں نہیں کرتے، اپنا سفرنامہ لکھ لیں تاکہ اور لوگ بھی مستفیض ہو سکیں اکیلے مجھ بے چاری کو کیوں سنا رہے ہیں۔"

"جب سے یہاں آئی ہو، کافی پر لگ گئے ہیں تمہیں؟" فیضی نے شرمندہ ہوئے بغیر اسے گھورا۔

"پرواز کے لیے پر تو ضروری ہیں۔" وہ مسکرائی۔

"ویسے تم نے کچھ منگوایا تو نہیں تھا مگر پھر بھی تمہارے لیے ایک چیز لے آیا ہوں۔" وہ جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ نکالنے لگا۔

اس کی ہتھیلی پر رکھی کھلی ڈبیا میں سے جھانکتی ایک بے حد خوب صورت انگوٹھی کو دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی۔

"کیسی ہے؟" فیضی سوالیہ اور فخریہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"خوب صورت ہے۔" صفا نے خود کو سنبھالا۔

"ابھی نہیں دے رہا۔" اس نے ڈبیا بند کر کے واپس جیب میں ڈالی۔

"صرف دکھانے لایا تھا امی اور گھر والوں کے ہاتھ بھجواؤں گا پھر پہننا اور پہنے ہی رہنا۔" اس نے ذرا جھک کر اس کا چہرہ دیکھا۔

"نہیں، میں یہ نہیں پہنوں گی۔" صفا نے نفی میں سر ہلایا۔

"مذاق۔۔۔"

"میں مذاق نہیں کر رہی، سیریس ہوں۔" صفا نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ "بلکہ آپ کو نہیں کرنا چاہیے تھا ایسا مذاق، آپ نے ایسا کیسے سوچ لیا؟" صفا کی پیشانی پر شکنیں ابھرنے لگیں۔

"کیوں، کیا تم مجھے لائک نہیں کرتیں؟" فیضی کا چہرہ کچھ غصے اور کچھ شرمندگی سے سرخ ہونے لگا۔

"ہم دونوں ایجوکیٹڈ ہیں، کزنز ہیں۔ آپس میں انڈر اسٹینڈنگ بھی ہے ہماری پھر میں تمہیں بہت بہت لائک کرتا ہوں۔ پرفیکٹ میچ ہو گا ہمارا۔" وہ کسی سیلز مین کی طرح دلائل دے رہا تھا۔

"آپ میرے حوالے سے ایسا کوئی فیصلہ مت کریں اور نہ ہی بڑوں تک اس بات کو پہنچائیے گا۔" صفا نے سختی سے کہا اور کھڑی ہو گئی۔

"صفا! بیٹھو، مجھے وجہ بتا کر جاؤ۔ تم کیوں انکار کر رہی ہو۔ کیا تم کسی اور میں انٹرسٹڈ ہو؟"

"میں صرف اور صرف اپنی اسٹڈیز میں انٹرسٹڈ ہوں اور کسی چیز میں نہیں۔ رہی بات وجہ کی تو۔" وہ ایک لمحے کو رکی۔

"آئی ایم سوری ٹو سے، آپ کو میری بات بری لگے گی۔"

"کہہ دو، برا لگے بھی تو کیا ہے۔ میں جاننا چاہتا ہوں مجھ میں کیا برائی ہے، جو میں آپ جیسی لڑکی کے قابل

www.urdupalace.com

بھی نہیں۔" فیضی کا لہجہ طنز اور تلخی سے بھرپور تھا۔
صفا اس کے طنزیہ لفظوں اور تلخ لہجے کو نظر انداز کر کے سکون سے گویا ہوئی۔ "پریا باجی کی شادی پہ خالہ جان کتنے کرائسیس میں تھیں۔ انہیں اچانک اماؤنٹ کی ضرورت پڑ گئی تھی۔ آپ کے پاس آپ کی سیونگ تھی، پھر بھی آپ نے اپنی امی کی ہیلپ نہیں کی کیوں؟"

"کیوں کرتا؟" فیضی کا لہجہ اور جارحانہ ہو گیا۔
"پہلی بات تو یہ کہ میں نے اتنی محنت کر کے اور اپنی کئی خواہشات اور ضروریات ایک طرف کر کے یہ پیسے جمع کیے تھے اپنے ٹرپ کے لیے، میں اپنی سیلفش بہن کے لیے کیوں دے دیتا اور وہ بھی تو کماتی تھی۔ کچھ اماؤنٹ وہ بھی جمع کر سکتی تھی اپنی شادی کے لیے، کیوں نہیں کیا؟"

"میں تو آپ کی امی کی بات کر رہی ہوں، آپ کو ان کا خیال نہیں آیا؟"

"آئی لو مائی مدر ویری مچ، لیکن ان کے لیے میں اپنی محنت کی کمائی کسی پر بھی نہیں لٹا سکتا۔" اٹل انداز میں بولتا ہوا وہ بالکل سکندر لگ رہا تھا۔ صفا کو جھرجھری آ گئی۔

"اسے خود غرضی کہتے ہیں۔" صفا نے جتایا۔

"یہ تمہارا خیال ہے، میں متفق نہیں۔" فیضی نے تیزی سے جواب دیا۔

"لیکن میں ان رویوں کی عادی نہیں، نہ ہی ایسے ماحول میں خوش رہ سکتی ہوں۔"

"تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے۔ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔"

چاہت کا دعوا تو شاید آپ کو اپنی ماں سے بھی ہو لیکن ان کی پریشانی کو اطمینان سے دیکھتے رہے۔ انہوں نے اپنی عزت نفس کو داؤ پر لگا کر قرض مانگا۔ لیکن آپ بہن بھائیوں کے کان پر جوں بھی نہ رینگی۔ ایسی چاہت کا کیا فائدہ.... خود غرضی عادت نہیں فطرت ہوتی ہے اور فطرت کبھی بدل نہیں سکتی۔ خدا حافظ۔"
اس نے کتابیں سمیٹیں اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

اور میں نے اپنے آپ کو خوب ٹٹولا، لیکن میری کوئی خاص فیلنگز نہیں مگر وقت کے ساتھ ساتھ بہت کچھ بدل بھی جاتا ہے۔ مجھے لگتا ہے زندگی کے معاملات میں قسمت کا فیکٹر بہت اہم ہوتا ہے، کون جانے میرے نصیب میں آگے کون لکھا ہے۔ لہٰذا اس معاملے کو آگے کے لیے ہی چھوڑنا مناسب ہے۔ مجھے خود نہیں معلوم کہ میں ہاں کروں گی یا ناں۔"
آنکھیں بند کیے وہ سوچتی رہی، پھر سر جھٹک کر سارے خیالات ایک طرف کیے اور اپنا قلم لے کر دوبارہ شروع ہو گئی۔

☆ ☆ ☆

"بڑی ظالم لڑکی ہو تم۔" پہلا میسج آیا۔
"کیسے بھئی؟" وہ چکرا گئی۔
"اتنے انتظار کے بعد ہاں کی ہے، تم نے شکر ہے میں نے تمہیں پرانے زمانے کے کاؤنٹ کی طرح گھٹنوں کے بل بیٹھ کر پرپوز نہیں کیا، اور نہ تمہاری ہاں کے انتظار میں میرا تو حشر برا ہو جاتا۔"
"زندگی کا سب سے اہم فیصلہ ہے، سوچ سمجھ کر ہی کرنا چاہیے، ایسے کیسے یس کہہ دیتی۔"
"میں نے سوچا تھا تم فٹافٹ ہاں کر دو گی۔"
"بڑے خوش فہم ہیں آپ۔"
"میں اوپٹی مسٹک ہوں۔"
"اچھا!"
"بس، ایک لفظ! یار کچھ تو بولو، ہم ان فیوچر ایک دوسرے سے انگیج ہو رہے ہیں، تم تو کچھ بول ہی نہیں رہیں۔"
"کیا بولوں؟"
"کچھ نہیں بولنے کو؟ آئی لو یو ہی بول دو۔"
"یہ کوئی بولنے کی بات ہے۔"
"پھر؟"
"یہ محسوس کرنے کی بات ہے۔"
"ہوں، اس کا مطلب، بالکل ہی سینس لیس

www.urdupalace.com

"نہیں ہو تم' تو پھر کیا فیل کرتی ہو تم میرے بارے میں؟"

"گڈ فیلنگز۔"

"اور....؟"

"ویری گڈ فیلنگز۔"

"اور....؟"

ویری :: ری گڈ فیلنگز۔

"ہاہاہا.... تمہارا یہ ناٹی اسٹائل' ویری ویری گڈ ہے تو پھر سنڈے کو آ رہی ہو۔"

"کہاں؟"

"ایئرپورٹ' مجھے اور مام کو ریسیو کرنے۔"

"اس سنڈے کو؟ پرسوں؟"

"ہاں' سوچا تھا تمہیں سرپرائز دوں گا لیکن چھوڑو' ایسی کی تیسی سرپرائز کی' تم آؤ گی نا ایئرپورٹ!"

"دیکھوں گی۔"

"ہاں ہاں' بالکل دیکھنا اب تمہیں چوری چھپے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ سب کے سامنے بھی دیکھ سکتی ہو۔ ویسے میں پہلے سے بھی زیادہ ہینڈسم ہو گیا ہوں۔"

"ایک منٹ' میں نے چوری چھپے کب دیکھا آپ کو؟"

"جب ہم آپ کے گھر ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ دیکھتی تھیں مجھے چوری چوری' چپکے چپکے۔"

"اب اگر میں آپ کو شٹ اپ کہوں تو مائنڈ مت کیجیے گا۔"

"لڑنے کے موڈ میں ہو۔"

"آپ کی باتیں ہی ایسی ہیں۔"

"میں رومانس کرنے کی کوشش کرتا ہوں تو بدک جاتی ہو۔ چھیڑتا ہوں تو لڑنے لگ جاتی ہو' کیا کروں پھر میں؟"

"اس وقت تو فون بند کریں۔ دادا جان بلا رہے ہیں مجھے۔"

"ایک تو یہ تمہارے دادا جان...."

"شٹ اپ!"

"اوہ' میں مائنڈ کر گیا۔ میں فون بند کر رہا ہوں۔ ناراض ہو گیا ہوں۔ پرسوں نہیں منایا تو...."

"تو....؟"

"تو کوئی بات نہیں سوئٹ ہارٹ' اب تم جیسی بھی ہو برداشت تو کرنا ہی پڑے گا۔ بائے بائے۔"

"بدتمیز!" سونیا نے اپنے موبائل کو گھورا اور پھر یکدم مسکرا دی۔

"سمیرا آنٹی کو شادی کی جلدی تھی' یہاں سے عندیہ ملتے ہی انہوں نے شادی اور آنے کا سگنل دے دیا۔ سب لوگ ایک جیسے نہیں ہوتے۔ ہر ایک کی کہانی دوسرے سے الگ ہوتی ہے۔ اور سونیا کو یقین آ گیا تھا کہ شعیب اپنے والد سے بہت مختلف ہے۔ اور پھر اس کا ساتھ کچھ ایسا برا نہ تھا۔ کچھ کھٹی سی کچھ میٹھی سی زندگی اس کی منتظر تھی۔

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے
بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

ساری بھول ہماری تھی	راحت جبیں	300/-
او بے پروا جن	راحت جبیں	300/-
ایک میں اور ایک تم	تنزیلہ ریاض	350/-
بڑا آدمی	نسیم سحر قریشی	350/-
دیمک زدہ محبت	صائمہ اکرم چوہدری	300/-
کسی راستے کی تلاش میں	میمونہ خورشید علی	350/-
ہستی کا آہنگ	ثمرہ بخاری	300/-
دل موم کا دیا	سائرہ رضا	300/-
ساڈا چڑیا دا چنبا	نفیسہ سعید	300/-
ستارہ شام	آمنہ ریاض	500/-
مصحف	نمرہ احمد	300/-
دست کوزہ گر	فوزیہ یاسمین	750/-
محبت من محرم	سمیرا حمید	300/-

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لئے
مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

www.urdupalace.com

Advertisement at Urdu Palace

Are you looking for an affordable website to advertise your business?
Urdu Palace offers lowest rates for all advertisers.
For Advertisement of your brand or business on our website call us or contact through

Whatsapp on following numbers:+92-348-8709449,+92-303-5110135

www.urdupalace.com